آئینۂ انجمن

ربیع الثانی 1445ھ، نومبر 2023ء

شمارہ نمبر: 57

رابطہ: 7 - 34993436 - 021

www.QuranAcademy.edu.pk

انجمن خُدّامُ القُرآن
سندھ، کراچی، رجسٹرڈ

B-375 علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی۔

اہم موضوعات

ڈاکٹر محمد الیاس
ہدیٰ خوانِ ملت — صفحہ نمبر: 03

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
ملفوظاتِ صدر مؤسِس انجمن خدّام القرآن، کراچی — صفحہ نمبر: 06

شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ
اقتباسِ نگران انجمن خدّام القرآن، کراچی — صفحہ نمبر: 07

ڈاکٹر انوار علی
علامہ اقبال اور دو قومی نظریے کا سفر — صفحہ نمبر: 11

مفتی امان اللہ قائم خانی
ماہ ربیع الثانی اور گیارھویں — صفحہ نمبر: 15

راحیل گوہر صدیقی
اقبال: احیائے فکرِ اسلامی کے علم بردار — صفحہ نمبر: 17

مولانا محمد آصف
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اندازِ تنبیہ (تیسری۔۔۔قسط) — صفحہ نمبر: 22

حافظ محمد اسد
بدگمانی اور تجسس — صفحہ نمبر: 27

ماہانہ رپورٹ
انجمن خدّام القرآن سندھ کے تحت جاری سرگرمیاں — صفحہ نمبر: 32

B-375 علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی۔
انجمن خدّام القرآن
سندھ، کراچی، رجسٹرڈ

فرمان الٰہی جلّ جلالہٗ
و
فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۔(الحشر: 10)

ترجمہ: جوان اگلوں کے بعد آئے ہیں، جو کہتے ہیں کہ "اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔"

تشریح: ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کا چہرہ کس قدر روشن ہے اور وہ اس کائنات میں کس قدر روشنی بکھیرنے والی امت ہے۔ اس کا رشتہ ایمانی اس قدر مضبوط ہے کہ اس کا آغاز اس کے انجام سے منسلک ہے اور بندھا ہوا ہے۔ اور اس کا آخری حصہ اول حصے سے بندھا ہوا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ضامن، کفیل، محب اور رحم کرنے والے ہیں۔ اور بلا لحاظ قوم و نسب، اور بلا لحاظ دوری زمان و مکان وہ ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں۔ یہ امت مسلمہ مسلمانوں کے شعور پر مسلسل چھائی رہی۔ یوں اہل ایمان قیامت تک گزشتہ لوگوں الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ کو یاد کرتے رہیں اور اس امت کو مسلمان اس طرح یاد کرتے ہیں جس طرح کوئی اپنے بھائیوں کو یاد کرتا ہے، نہایت اعزاز، عزت اور محبت میں، قدمانے آنے والوں کا خیال رکھا اور آنے والے اگلوں کو یاد کرتے ہیں۔ یہ سب ایک صف ہیں، ایک ہی رجمنٹ ہیں، اور زمانے گزر گئے ہیں۔ ایک ہی جھنڈا ہے۔ ایک ہی ہدف ہے۔ ایک ہی افق ہے۔ اور ان کا ایک ہی رب ہے جو رؤف و رحیم ہے۔ (تفسیر فی ظلال القرآن۔۔ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ أَكْيَسُ النَّاسِ وَأَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ:«أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ، وَ أَكْثَرُهُمْ اسْتِعْدَادًا، أُولَئِكَ هُمُ الْأَكْيَاسُ ذَهَبُوا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ». (رواه الطبراني في المعجم)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! بتلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے، جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں۔ انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔"

تشریح: جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے، جس کے لیے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اس کے برعکس وہ لوگ بڑے نا عاقبت اندیش اور احمق ہیں جنھیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

(معارف الحدیث۔۔ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

ہدی خوانِ ملت

ڈاکٹر محمد الیاس

مدیر تعلیم، انجمن خدام القرآن، سندھ کراچی

علامہ محمد اقبال کے تصور کائنات میں مسلمانوں کا مقام ایک قافلہ کی طرح ہے جو اپنی منزل کی جانب محو سفر ہو۔ گویا مسلم معاشرہ ایک قافلہ کی طرح ہے اور ہر مسلمان ایک مسافر ہے ۔ اگر کوئی قافلہ اپنی منزل سے توجہ ہٹا لے اور منزل تک پہنچنے کی خواہش زائل ہو جائے اور قافلہ والے راستہ کے عارضی قیام کو ہی اپنی منزل قرار دے بیٹھیں اور سب لوگ غفلت کی نیند سو جائیں۔ تو پھر ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو قافلہ والوں کو جگانے کے لیے زور سے اور مستقل گھنٹیاں بجاتا رہے یہاں تک کہ سب قافلہ والے خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ اور پھر وہ شخص لوگوں کو بھولی ہوئی منزل یاد دلائے اور انہیں اس منزل کی طرف محو سفر کر دے اور خود قافلہ کے آگے آگے ترانے پڑھتے ہوئے پورے قافلہ کی ہدی خوانی کرے ۔

یقیناً علامہ محمد اقبال نے اپنی فارسی اور اردو شاعری کے ذریعے اس امت مسلمہ کی ہدی خوانی کا فریضہ انجام دیا اور امت کو بھولی ہوئی منزل یاد دلائی اور اس منزل کے حصول کے لیے کوشش کرنے کا حوصلہ بخشا اور اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ بیدار کر دیا۔ چناں چہ علامہ محمد اقبال نے اپنے پہلے کلام "بانگ درا The call of the marching bell (1924) قافلہ کو جگانے کے لیے گھنٹیوں کی پکار" سے امت کو بیدار کیا۔ پھر "بال جبریل (1934) Gabriel's Wing" میں اپنے محیر العقل کلام کے ذریعے اس قافلہ کو جبرئیل کے پروں سے روشناس کروایا تاکہ قافلہ اپنی منزل کی طرف محو پرواز رہے ۔ پھر منزل تک پہنچنے میں حائل رکاوٹوں کو "ضرب کلیم The Rod of Moses (1936)" کے ذریعے دور کرنے کا ہنر سکھایا ۔ کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کی ضرب سے آل فرعون کو شکست دی آج مسلمان بھی اپنے ایک زندہ معجزہ یعنی قرآن حکیم کے ذریعے اپنے دور کے ہر فرعون کو شکست دے سکتے ہیں ۔ اور یوں آج کے مسلمان بھی "ارمغان حجاز (1938) Gift From Hejaz وہ انعامات جو حجاز سے نسبت رکھنے والوں کے حق میں آتے ہیں" کے مستحق بن سکتے ہیں اور قرآن وسنت کے انعامات کو پا کر مالا مال ہو سکتے ہیں ۔

مصورِ پاکستان اور ہدی خوان امت چاہتے تھے کہ پاکستان کو دور خلافت راشدہ کا نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ پوری دنیا اسلام کے چہرہ روشن کو دیکھ سکے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو جان سکے اور پوری دنیا اسلام کے امن وانصاف ومساوات وحریت کے اصولوں پر ایک عالم گیر معاشرہ بن سکے ۔ آج ہدی خوان ملت ہم سے کہہ رہے ہیں کہ

خوار از مہجوری قرآن شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمیں افتندہ ای
در بغل داری کتابِ زندہ ای

اے مسلمانو! آج تمہاری ذلت اور رسوائی کا اصل سبب یہ ہے کہ تم نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور اپنی اس زبوں حالی پر زمانے کی گردش کے شکوے کرنے لگے ہو۔ اے وہ قوم! جو تم شبنم کی طرح زمین پر بکھرے پڑے اور پیروں تلے روندے جارہے ہو، اٹھو کہ تمہاری بغل میں وہ کتاب زندہ موجود ہے جو تمہیں اس ذلت و رسوائی سے نکال کر بامِ عروج پر پہنچا سکتی ہے۔

حِکمت و دانش

قرآن کے نزدیک مثالی انسان

ایک بڑی خرابی جس نے ہمارے معاشرے کو بری طرح متاثر کیا ہے، وہ ہماری خود پسندی اور خود پرستی ہے۔ خلوصِ نیت اور اخلاصِ عمل قریب قریب مفقود ہے۔ ہم اگر کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو خدا ترسی یا جذبۂ خدمت سے سرشار ہوکر نہیں بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ اِس سے ہماری نیک نامی اور شہرت میں اضافہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری سوسائٹی میں اگرچہ کئی اچھے کام ہورہے ہیں، لیکن چوں کہ ان کے پیچھے نیت کا خلوص کارفرما نہیں اس لیے وہ ہمارے معاشرے کے لیے سود مند ثابت ہوئے ہیں نہ اُن سے ہماری عملی زندگی میں کوئی خوش گوار انقلاب رونما ہورہا ہے۔ خود غرضی، خود پسندی، اپنی شخصیت کو دوسروں پر ٹھونسنے کی خواہش، اپنی ذات کو دوسروں سے بالاتر کردینے کی آرزو۔۔۔۔ یہ ہیں وہ منفی جذبات اور احساسات جو مختلف شکلوں اور رویوں میں اپنا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

قرآن کے نزدیک مثالی انسان وہ ہیں جو زمین پر متانت و عجز کے ساتھ چلتے ہیں اور جب اُن کا واسطہ جاہلوں (غیر شائستہ لوگوں) سے پڑتا ہے، تب وہ سلامتی کا رویہ اختیار کرتے ہیں، جب کہ ہمارے اندر آج سب سے بڑا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ لرخت، بے حس اور خود پرست ہو۔ ہم نے اپنے عیوب کے لیے نہایت شائستہ اور دل فریب الفاظ تراش رکھے ہیں اور ہم اس خود فریبی میں مبتلا ہیں یا اوروں کو فریب دے رہے ہیں کہ یہ خوبیاں ہیں برائیاں نہیں۔

(ملاقاتیں کیا کیا (انٹرویو)۔۔۔۔۔ از اے۔کے بروہی (سابق وزیر قانون))

حمدِ باری تعالیٰ جل جلالہٗ
و
نعتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہاں کے یہ زبان ولب، مرا رنگِ ثنا کیا ہے
یہ حسنِ صوت، یہ طرزِ بیاں، فکرِ رسا کیا ہے

جمالِ خالقِ یکتا کا مظہر ہیں سبھی منظر
یہ کلیاں، پھول، غنچے، رنگ و بو، موج صبا کیا ہے

زمیں و آسماں، یہ بحر و بر، مہر ومہ و انجم
بس اِن کو دیکھ لو اور جان لو شانِ خدا کیا ہے

عنایت ہے تری، فیضان ہے جود و کرم تیرا
مرے دامن میں میرا، اے مرے ربّ عُلا کیا ہے

خدا کے نام پر جس نے فدا کی ہے زندگی اپنی
کھلا اس بندۂ حق پر فنا کیا ہے، بقا کیا ہے

یہ میرے حجرۂ قلب حزیں میں کون رہتا ہے
دلِ شہزاد سے جو اُٹھ رہی ہے، یہ صدا کیا ہے

علامہ ڈاکٹر محمد شہزاد مجددی

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سارے نبیوں کے عہدے بڑے ہیں لیکن آقا کا منصب جدا ہے
وہ امامِ انبیا ہیں اُن کا رتبہ بڑا ہے

کوئی لفظوں میں کیسے بتادے اُن کے رتبے کی حد ہے تو کیا ہے
ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے صرف اللہ اُن سے بڑا ہے

وہ جو اک شہر نور الہدیٰ ہے جلوہ گاہوں کا اک سلسلہ ہے
جس کی ہر صبح شمس الضحیٰ ہے جس کی ہر شام بدر الدجیٰ ہے

نام جنت کا تم نے سنا ہے میں نے اس کا نظارہ کیا ہے
میں یہاں سے تمہیں کیا بتاؤں اُن کی نگری کی گلیوں میں کیا ہے

کتنا پیارا ہے موسم وہاں کا کتنی پر کیف ساری فضا ہے
تم میرے ساتھ خود چل کے دیکھو گردِ طیبہ بھی خاکِ شفا ہے

مستقل ان کی دیوڑھی عطا ہو، میرے معبود یہ التجا ہے
کوئی پوچھے تو یہ کہہ سکوں میں، بابِ جبریل میرا پتا ہے

پروفیسر اقبال عظیم

ملفوظاتِ صدرِ مؤسّسِ انجمن خدّامُ القرآن، کراچی

جیتے جاگتے مُردہ انسان

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اگرچہ جسمانی اعتبار سے تو بعض لوگ زندوں میں شمار ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ چلتے پھرتے مقبرے اور تعزیے ہیں، کیوں کہ اُن کی انسانیت مر کر اُن کے جسموں کے اندر دفن ہو چکی ہے۔ اسی طرح یہاں زندوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی روحیں اور جن کے دل زندہ ہیں۔ زندگی کے اس فلسفے کو میر درد نے اس طرح بیان کیا ہے

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

اگر کسی شخص کا دل مر گیا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اس کی روح دم توڑ گئی تو انسانی سطح پر اس شخص کی موت واقع ہو گئی۔ اب اگر وہ زندہ ہے تو حیوانی سطح پر زندہ ہے۔ جس طرح حیوان کھاتے پیتے ہیں اور زندگی کی دوسری ضروریات و خواہشات پوری کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں اسی طرح اب وہ بھی زندگی بسر کر رہا ہے، مگر ایک انسان کی زندگی ہرگز نہیں ہے۔ مثلاً ابوجہل بظاہر اچھی بھلی زندگی بسر کر رہا تھا مگر اس کے اندر کا انسان زندہ نہیں تھا اس لیے نہ تو وہ آفتابِ نبوت دیکھ سکا، نہ اس کی تمازت محسوس کر سکا اور نہ ہی اس روشنی سے مستفیض ہو سکا۔ (بحوالہ: بیان القرآن، سورۃ الفاطر آیت: 22)

اقتباس نگرانِ انجمن خُدّامُ القرآن، کراچی

اندر کی آواز

شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

تکنیکی طور پر انگلش ڈکشنریوں میں لبرل ازم کی تعریف دیکھیں تو ان میں freedom کا لفظ لازماً ملے گا۔اسی طرح سیکولر ازم کی تعریف بھی اس سے ملتی جلتی ملے گی۔(Separation of state institutions from religion) یہ بنیادی طور پر مذہب سے آزادی ہے، لہذا یہ دونوں اصطلاحیں کسی نہ کسی سطح پر ایک دوسرے کی مترادف بن جاتی ہیں۔رہا یہ سوال کہ لوگوں کو اس میں کیوں کشش لگ رہی ہے اور اسلام پر عمل کرنا کیوں مشکل لگ رہا ہے؟ دیکھیے انسانی فطرت میں ایک کمزوری تو ہے کہ وہ پابند ہونا نہیں چاہتا اور اپنی مرضی کے مطابق چلنا چاہتا ہے۔"میرا جسم میری مرضی" جیسے نعروں کے پیچھے ایسے ہی باطل تصورات ہوتے ہیں۔البتہ انسان کی یہ کمزوری کنٹرول ہوسکتی ہے کیوں کہ اسی فطرت انسانی میں اللہ نے اپنی معرفت بھی رکھی ہے۔ہم دین کے نقطۂ نظر سے بات کریں تو ہماری ارواح سے اللہ نے اپنے رب ہونے کا اقرار کروایا اور پھر ہمیں زمین پر اپنی عبادت کے لیے بھیجا۔اس سبق کی یاد دہانی کے لیے کتابیں نازل فرمائیں۔انبیا و رسل علیہم السلام کو بھیجا، فطرت انسانی میں ربّ کا تعارف موجود ہے۔آفاق میں اللہ کی نشانیاں، انفس (ہمارے وجود) میں اللہ کی نشانیاں، اُن سب کے ذریعے سے وہ یاد دہانی ہوتی ہے۔اپنے اندر کی اس آواز پر نفس کی سرکشی کو کنٹرول کرنا ممکن ہے۔یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لینے اور ایمان کے حصول کے نتیجے میں اپنی مرضی کو اپنے رب کی مرضی کے تابع کرنا آسان ہے۔

(رفقائے تنظیم واحباب کے سوال وجواب کی نشست سے خطاب)

تاجِ رسالت ﷺ کے انمول نگینے

اُمُّ المؤمنین سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

زوجہ راحیل گوہر

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش کا اصل نام "بَرّہ" تھا، کنیت اُمّ الحکم تھی، والد کا نام جحش بن رباب اور والدہ کا نام امیمہ بنتِ عبد المطلب تھا، اس طرح حضرت زینب رسول کریم ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ 593ء میں پیدا ہوئیں۔

بَرّہ عربی میں بہت نیکوکار اور سخی کو کہتے ہیں، اس نام میں چوں کہ خود پسندی کی جھلک ہے اس لیے رسول کریم ﷺ نے چند صحابیات جن کے نام پہلے "بَرّہ" تھے تبدیل کر کے اُن کے دوسرے نام رکھ دیے تھے۔ اور فرمایا کہ لَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ، اللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ (یعنی خود اپنے آپ کو نیک اور سخی نہ کہو اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں کون نیک اور کون سخی ہے)

حضرت زینب کی دو بیوہ بھابھیاں بھی ازواج مطہرہ تھیں (اُمّ حبیبہ جو عبید اللہ بن جحش کی بیوہ تھیں اور زینب بنتِ خزیمہ جو عبد اللہ بن جحش کی بیوہ تھیں) حضرت زینب کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا تھا لیکن ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے یہ نکاح قائم نہ رہ سکا اور حضرت زید نے طلاق دے دی۔ حضرت زید چوں کہ موالی (آزاد کردہ غلام) تھے اور حضرت زینب ایک نہایت شریف اور معزز خاندان میں سے تھیں اور رسول کریم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں، اور عرب کا یہ دستور تھا کہ موالی سے مناکحت کو اپنے لیے باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔ اس لیے جب رسول کریم ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"کسی صاحبِ ایمان مَرد اور عورت کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کسی بات کا (قطعی) حکم دے دیں تب بھی وہ اس کام کے بارے میں بااختیار رہیں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وجوبی حکم کے بعد کسی بھی مومن یا مومنہ کو اپنے دنیوی اور ذاتی معاملہ میں بھی کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہتا۔" (الاحزاب: 36)

اس آیت کے نزول کے بعد دونوں بہن بھائی نے سر تسلیم خم کر دیا اور آپ ﷺ نے زید کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا اور اپنے پاس سے ان کا مہر 10 دینار (تقریباً 4 تولہ سونا) اور 60 درہم (تقریباً 18 تولہ چاندی)، ایک بار برداری کا جانور، ایک زنانہ جوڑا اور تقریباً 25 سیر آٹا اور 5 سیر کھجور ادا کیا۔ نکاح تو ہو گیا مگر زید حضرت زینب کی نظر میں ہمیشہ بے وقعت ہی رہے۔ اس لیے گھر میں باہم لڑائی ہوتی اور اس طرح اُس میں موافقت نہ ہو سکی۔ اور بالآخر اس باہمی چپقلش اور مزاج میں ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے نتیجہ طلاق کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اس طلاق کے بعد رسول کریم ﷺ نے بحکم خدا انہیں نکاح کا پیغام بھیجا تو حضرت زینب نے کہا کہ "میں کوئی کام نہیں کرتی جب تک اپنے رب

سے مشورہ نہ کرلوں۔" یہ کہہ کر وہ نماز پڑھنے کھڑی ہوگئیں۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی:

ترجمہ: "پس جب زید نے زینب سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا (اور عدت بھی گزر گئی) تو ہم نے اُن کا نکاح تم سے کردیا تاکہ اہلِ ایمان کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج اور تنگی باقی نہ رہے، بشرطیکہ وہ لوگ اپنی بیویوں سے اپنا رشتہ ختم کرلیں۔" (الاحزاب: 37)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بغیر اجازت اُن کے مکان میں تشریف لے گئے۔ حضرت زینب اس نکاح پر ہمیشہ فخر کرتی تھیں، دوسری ازواجِ مطہرات سے کہتی تھیں۔ "تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح اللہ نے ساتوں آسمانوں پر کیا۔" نکاح کی صبح کو حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے کچھ مالیدہ بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ ولیمہ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی گوشت اور روٹی کا بندوبست کیا۔ جب حضرت انس مالیدہ لے کر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "آدمیوں کو بلاؤ" جب سب آدمی جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے دس دس آدمیوں کو بلا کر کھانا کھلانا شروع کیا۔ لوگ آتے رہے اور کھانا کھاتے رہے۔ حضرت زینب بھی اسی مکان میں پیٹھ موڑے بیٹھی رہیں۔ جب کچھ آدمی کھانا کھا کر چلے گئے تو دسترخوان اٹھا لیا گیا۔ اور پھر بھی کچھ لوگ اس طرح بیٹھے رہے باہر جانے کے لیے تیار نہ ہوئے تو رسول کریم ﷺ کو اُن کے اس طرزِ عمل سے تکلیف ہوئی اور کچھ دیر بعد پردہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت دیکھتے رہو ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، پھر جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ۔ کیوں کہ اس بات سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے۔ سو وہ تمہارے لحاظ سے کچھ نہیں کہتے مگر اللہ کو حق بات کہنے میں کوئی شرم نہیں اور جب تم اِن (ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی آڑ سے مانگو۔" (الاحزاب: 53)

حضرت زینب بہت متّبع شریعت تھیں۔ جب ان کے بھائی کا انتقال ہوا تو (تین دن بعد) انہوں نے خوشبو منگوائی اور اس کو اپنے جسم اور کپڑوں پر لگایا، پھر فرمایا: "اللہ کی قسم مجھے خوشبو لگانے کی ضرورت تو نہیں تھی (میں نے یہ کام اس لیے کیا کہ) میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے "جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن سوگ کرنا چاہیے"۔"

حضرت زینب صدقہ وخیرات بہت کرتی تھیں۔ ایک دن رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ بیوی ملے گی جس کا ہاتھ سب سے زیادہ دراز ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت زینب کا ہاتھ (خیرات و صدقات) میں ہم سب سے زیادہ دراز تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے روپیہ کماتی تھیں اور خیرات کرتی تھیں۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت زینب چمڑے کی دباغت کرتی اور چمڑے کا سامان بناتی تھیں۔ اور اس سے حاصل شدہ مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتی تھیں۔ سورۃ الاحزاب کی متعدد آیات کا تعلق اُن کی ذات سے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تمام ازواجِ مطہرات میں صرف حضرت زینب ہی بارگاہِ نبوی ﷺ میں میرے ہم پلہ تھیں۔ اور میں نے زینب سے زیادہ دین دار، متقی و پرہیزگار، سچ بولنے والی، صلہ رحمی کرنے والی، صدقہ وخیرات کرنے والی اور اپنی جان کو نیکی اور تقربِ الٰہی کے کاموں میں کھپانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی۔ ہاں مزاج میں ذرا سی تیزی تھی جس پر وہ جلد ہی قابو پالیتی تھیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ مہاجرین کی ایک جماعت میں مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اس موقع پر موجود تھیں۔ انہوں نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ناگوار گزری۔ انہوں نے ذرا تلخ لہجے

میں حضرت زینب کو دخل دینے سے منع کیا، اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "عُمر، ان سے کچھ نہ کہو یہ اوّاہ (یعنی بڑی عبادت گزار اور خدا سے ڈرنے والی) ہیں۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام امہات المؤمنین کا خطیر وظیفہ مقرر کردیا تھا۔ حضرت زینب یہ وظیفہ ملتے ہی حاجت مندوں میں تقسیم کردیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ سالانہ وظیفہ ملا تو اس کو اپنے رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کرکے دعا کی۔ اے اللہ! آئندہ یہ مال مجھ کو نہ ملے کیوں کہ یہ فتنہ ہے۔

حضرت زینب بنتِ جحش کچھ روایات کی راوی تھیں اور انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے گیارہ احادیث نقل کی ہیں۔ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا ایک خوب صورت خاتون تھیں، رسالت مآب ﷺ کثرت کے ساتھ آپ کے پاس جایا کرتے تھے۔ آپ صالح، روزہ دار اور شب بیدار تھیں۔"

اُمّ المؤمنین حضرت زینب نے اپنا کفن بھی خود تیار کرکے رکھا ہوا تھا وفات سے کچھ دن پہلے آپ نے کئی وصیتیں کیں۔ مثلاً

1۔ میں نے اپنا کفن تیار کیا ہوا ہے اگر حضرت عمر بھی میرے لیے کفن بھیجیں تو اُن دو میں سے ایک صدقہ کردینا۔

2۔ میری لاش اس چارپائی پر لے کرجانا جس چارپائی پر رسول اللہ ﷺ کو رکھا گیا تھا۔

3۔ میرے جنازے کے پیچھے آگ نہ لے جائی جائے اور میری قبر بقیع میں عقیل اور ابو حنیفہ کے گھر کے درمیان کھودی جائے۔

4۔ جب مجھے قبر میں اتار دیا جائے تو اگر میرا پٹکا خیرات کرسکو تو کردینا۔

اُمّ المؤمنین حضرت زینب نے 53 برس کی عمر میں 20 ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ عام لوگوں کو ام المؤمنین سیدہ زینب کی قبر مبارک کے پاس سے ہٹا دیا گیا۔ چناں چہ آپ کے تین بھانجوں، محمد بن عبداللہ جحش، عبداللہ بن ابی بن جحش اور اسامہ بن زید نے آپ کو جنت البقیع کی ایک قبر میں اتارا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اُن کی وفات پر فرمایا: "وہ نیک بخت بے مثل خاتون چلی گئیں اور یتیموں اور بیواؤں کو بے چین اور سوگوار کرگئیں۔"

کتابیات:

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب ازواج زینب عن انس بن مالک

2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء، عن انس بن مالک

3۔ صحیح بخاری، باب آیۃ الحجاب وکتاب النکاح

4۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب فی عدۃ الوفات، عن زینب بنتِ ابی سلمہ

5۔ صحیح مسلم، باب فضائل زینب عن عائشہ صدیقہ

6۔ تذکارِ صحابیات.........طالب ہاشمی

7۔ معارف الحدیث......مولانا محمد منظور نعمانی

علامہ اقبال اور دو قومی نظریے کا سفر

ڈاکٹر انوار علی

مدیر، قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر، کراچی

مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبال نے 29 دسمبر 1930ء کو الہ آباد کے تاریخ ساز جلسے میں ہندوستان کے محکوم مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ خطہ زمین کا تصور پیش کیا۔ یہ خطبہ "خطبہ الہ آباد" کے نام سے تاریخ میں اپنی پہچان رکھتا ہے۔جس میں علامہ اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک نئی امید کی کرن جگائی۔ بلاشبہ یہ علامہ اقبال ہی تھے جن کے سیاسی افکار تحریک پاکستان کی بنیاد بنے۔ علامہ اقبال وہ سیاست دان تھے جنھوں نے دو قومی نظریہ پیش کیا۔ اسلام ایک جداگانہ اور امتیازی تہذیب و تمدن کا حامل دین ہے۔ جس کا زندگی گزارنے کے متعلق منفرد نظریہ اور نصب العین ہے۔ علامہ اقبال اگر اسلامی تعلیمات سے مکمل طور پر آگاہ نہ ہوتے اور رسول کریم ﷺ کے سچے اور وفادار پیروکار نہ ہوتے تو وہ کبھی مسلمانوں کے لیے ایک الگ قومی وطن کا مطالبہ نہ کرتے۔

علامہ اقبال کی زندگی کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ابتدا میں اقبال مختلف رجحانات کے حامل تھے جن میں اسلامی رجحان نظر تو آتا ہے البتہ ہندی قوم پرستی (Indian Nationalism) کے رجحان زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں۔ 1905ء تک قوم پرستی کی حمایت میں "تصویر درد اور نیا شوالہ" جیسی نظمیں علامہ اقبال کی قلم کا شاہکار تھیں۔ "قومی زندگی" کے عنوان سے 1904ء میں ایک مضمون لکھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے وہ قوم کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو زبوں حالی سے نکالنے کے آرزومند تو ہمیشہ رہے تھے البتہ ہندو مسلم نزاع ان کے نزدیک سامراج کی تقویت کا باعث تھا اور باہمی محبت ہی کو آزادی کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ اسی دور میں اقبال نے "ہمارا دیس" لکھی تھی جس کا عنوان بعد میں "ترانۂ ہندی" کر دیا۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا　　ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

"ہندو مسلم ایک قوم" کے علمبردار اور "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کہنے والے نیشلسٹ اقبال اسلامی قومیت اور "مسلمان الگ قوم" کا فکری سفر کیسے طے کر پائے؟ اس کی بڑی وجہ وہ عملی ادراک تھا جو ہندو ذہنیت اور مغربی اقوام کی حکمتِ عملی کے حوالے سے ان پر بتدریج ہوا۔

نہ پوچھو مجھ سے لذتِ خانماں برباد رہنے کی　　نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

اقبال 1905ء میں اعلیٰ تعلیم (پی ایچ ڈی نیز بار ایٹ لاء) کے لیے انگلستان چلے گئے۔ اسی سال "تقسیم بنگال" عمل میں آئی۔ یہ ایک انتظامی فیصلہ تھا۔ مشرقی بنگال مسلم اکثریت کا صوبہ بن گیا۔ ہندو قوم کو مسلمانوں کا یہ مفاد ناگوار گزرا اور تقسیم بنگال کے خلاف ہندوستان گیر اور زوردار احتجاج شروع کر دیا گیا۔ اقبال جیسے دیدہ ور کے سامنے ہندی وطن پرستی یا ہندو مسلم متحدہ قومیت کا پردہ چاک ہو گیا۔ دوسری

طرف یورپی لٹریچر کے مطالعے سے اقبال پر یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ یورپی اقوام نیشنلزم کی بنیاد پر ملتِ اسلامیہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتی ہیں ۔ یہ شواہد اقبال کے فکری انقلاب کے لیے کافی تھے ۔ اسلامی رجحان پہلے سے موجود تھا، چنانچہ محدود وطنی قومیت کو ترک کر کے وسیع تر اسلامی قومیت کی طرف آ گئے ۔

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبالؔ اپنے آپ کو　　آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہوں میں

اقبال کی فکری تبدیلی 1907ء تک مکمل ہو چکی تھی ۔ انہوں نے زندگی بھر کا منشور مرتب کر لیا ۔ امّتِ مسلمہ جو محکوم ، مظلوم اور کمزور تھی، اقبال نے اسے کامیابی کی نوید سنائی ۔ اپنی مفکرانہ شاعری سے اسے بیدار کرنے کا بیڑا اٹھا لیا ۔ دوسری طرف 1937ء میں صوبائی کانگرسی حکومتوں کے قیام اور واردھا تعلیم سکیم ، بندے ماترم اور ہندو مسلم فسادات نے ہندو ذہنیت کو پوری طرح بے نقاب کر دیا ۔ علامہ اقبال ہندو کی اس ذہنیت کی عکاسی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

نگہ دارد برہمن کارِ خود را　　نمی گوید بہ کس اسرار خود را
بمن گوید کہ از تسبیح بگریز　　بدوشِ خود برد زنار خود را

”برہمن اپنے کام کی حفاظت کرتا ہے، اپنے راز کسی کو نہیں بتاتا ۔ مجھ سے کہتا ہے کہ تسبیح چھوڑ دے مگر اپنا زنار کندھے سے نہیں اتارتا“ ۔

ہندی قومیت سے اسلامی قومیت (دو قومی نظریے) تک پہنچنے کے لیے علامہ اقبال نے کچھ وقت لیا ۔ البتہ قدم جما کر اور پورے یقین کے ساتھ آگے بڑھے ۔ اس فکری تبدیلی (conversion) کے بعد ”ترانۂ ملی “لکھا :

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا　　مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

1907ء سے 1938ء تک اقبال متواتر اسلامی قومیّت کے تصور کو اجاگر کرتے رہے ۔ 1911ء میں خطبۂ علی گڑھ میں وضاحت کی کہ مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق ہے ۔ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے مختلف ہے ۔ ہماری قومیت کا انحصار نہ زبان پر ہے ، نہ وطن پر ہے اور نہ اغراضِ اقتصادی پر ۔ ہم اس برادری میں جو جنابِ رسالت مآب (ﷺ) نے قائم کی تھی ،اس لیے شریک ہیں کہ ہمارے عقائد کا سر چشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہمیں ترکے میں ملی ہیں وہ ہم سب کے لیے یکساں ہیں ۔ اقبال نے مسلمانوں کے لیے قیدِ مقامی کو تباہی قرار دیا :

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی　　رہ بحر میں آزادِ وطن صُورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سُنّتِ محبوبِ الٰہی　　دے تُو بھی نبوّت کی صداقت پہ گواہی
گُفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے　　ارشادِ نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے

رموزِ بیخودی (1918ء) میں ملتِ اسلامیہ کی انفرادیت کو پوری طرح اجاگر کیا ۔ اس بات پر زور دیا کہ اس امت کی تشکیل دو عناصر سے ہوئی ہے ، توحید اور پیغمبر اعظم (ﷺ) کی نبوت ۔ اس امت کی تشکیل کسی نسل اور کسی وطن پر بھی منحصر نہیں ہے ۔ نسب کا تعلق تن سے ہے اور تن فانی ہے؛اسی لیے نسب پر نازاں ہونا نادانی ہے

بر نسب نازاں شدن نادانی است　　حکمِ او اندر تن و تن فانی است

”نسب پر ناز کرنا نادانی ہے، نسب کا تعلق بدن سے ہے اور بدن فانی ہے ۔“

تہذیبِ حاضر کے تراشیدہ بتوں میں سیکولرازم، کیپیٹل ازم ، سوشلزم ، لبرلزم وغیرہ شامل ہیں؛ان میں نیشنلزم سب سے بڑا بُت ہے ۔ علامہ

اقبال نے یاد دلایا کہ مسلمان قوم کی اساس وطن نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں آگے بڑھ کر وطن کے سیاسی مفہوم کو جدید دور کا خدا کہا۔

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لُطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

وضاحت کی کہ نیشنلزم سے قومیتِ اسلام کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیّتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

علامہ نے ببانگ دہل فرمایا کہ اگر آگے بڑھنا ہے تو اس بت کو پاش پاش کرنا ہوگا:

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوّت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے
نظّارۂ دیرینہ زمانے کو دِکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے!

علامہ اقبال اس حقیقت کو مسلمانوں کے سامنے کھولا کہ مسلمانوں کی طاقت توحید ہے نہ کہ عصرِ حاضر کے اس تراشیدہ بت یعنی "وطن" سے۔

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصارِ ملّت کی اتحادِ وطن نہیں ہے
کہاں کا آنا کہاں کا جانا، فریب ہے امتیازِ عقبیٰ
نمود ہر شے میں ہے ہماری، کہیں ہمارا وطن نہیں ہے

جوابِ شکوہ (1912ء) میں پوری وضاحت کے ساتھ، اسلام ہی کو اسلامی قومیت کا محور قرار دیا:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

یہ علامہ اقبال ہی تھے جنہوں نے امت کو جگاتے ہوئے یہ موقف لوگوں کے سامنے رکھا کہ دین خدا کی طرف سے ملتا ہے لیکن امت کی تشکیل اس رسول کی نسبت سے ہوتی ہے جو اس دین کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ اس بنیاد پر اسلام کے پیروکار امت محمدیہ کہلاتے ہیں۔ اگر قومیت کی بنیاد وطن قرار پائے تو رسول کریم سے ہماری نسبت ختم ہو جاتی ہے اور رسول پاک سے نسبت ختم ہو جائے تو اسلام سے ہمارا رشتہ ختم ہو جاتا ہے بلکہ اسلام ہی باقی نہیں رہتا۔

کی محمد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

شکوہ جواب شکوہ وہ انمول کارنامۂ اقبال ہے جس کی کوئی نظیر اس میدان میں ملنا مشکل ہے جہاں امت کی زبوں حالی کی وجہ قرآن سے دوری کو قرار دیا

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
تم خوار ہوئے تارک قرآن ہوکر

علامہ اقبال فرماتے تھے کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور سب زمانوں کے لیے ہے۔ انہوں نے یورپ کے خود ساختہ نظریہ کی سختی سے مخالفت کی جس کے مطابق مذہب محض فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیا گیا۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حضرت علامہ اقبال نے اپنی شاعری اور خطبات کے ذریعے یہ واضح فرمایا کہ چونکہ ہندوستان میں کئی قومیتیں آباد ہیں اور وہ ایک دوسرے کے

ساتھ تعاون کے لیے تیار نہیں ہیں اس وجہ سے یہاں مغربی طرز حکومت اور جمہوری نظام رائج نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی روایات کے مطابق زندگی گزارنے کا مکمل حق رکھتے ہیں۔

قائد اعظم محمد علی جناح کے سیاسی نظریے کی تبدیلی (Conversion) بھی بہت اہم واقعہ ہے۔ ہندی قومیت سے اسلامی قومیت اور متحدہ ہندوستان سے الگ مسلم ریاست تک محمد علی جناح کیسے پہنچے، قائد اعظم جن کو "ہندو مسلم اتحاد کا سفیر" کہا گیا اور اس خطاب کو خوب شہرت ملی۔ ان کی نظریاتی تبدیلی بتدریج ہوئی اس دوران ہندو ذہنیت ان پر پوری طرح آشکار ہو گئی تھی چنانچہ انڈین نیشنل ازم کا نظریہ ترک کرتے گئے اور دو قومی نظریہ پوری طرح اختیار کر لیا۔ یہ تبدیلی 1938ء تک مکمل ہو چکی تھی۔ دیکھا جائے تو اس تبدیلی فکر کے پیچھے جہاں نہرو رپورٹ، پہلی اور دوسری گول میز کانفرنسیں، 37 – 1936ء کے صوبائی انتخابات اور کانگریس کا متعصبانہ کردار تھا وہیں اس میں علامہ اقبال کی محنت بھی نظر آتی ہے، جناح کے نام اقبال نے خطوط اسی دوران لکھے 21 اپریل 1938ء کے اپنے تعزیتی بیان میں قائد اعظم نے کہا کہ میرے لیے اقبال ایک دوست تھے، فلسفی اور راہنما بھی۔ مارچ 1940ء میں، قراردادِ پاکستان کی منظوری کے چند روز بعد پنجاب یونیورسٹی ہال میں یومِ اقبال کی تقریب قائد اعظم کی صدارت میں ہوئی۔ خطبہ صدارت میں قائد نے کہا:

"گو کہ میرے پاس سلطنت نہیں ہے لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔"

28 مئی 1937ء کو علامہ اقبال نے قائد اعظم کے نام انتہائی اہم خط لکھا تھا جس میں ان کا فرمانا تھا کہ "اسلامی قانون کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو ہر شخص کے لیے کم از کم حق معاش محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن شریعت اسلام کا نفاذ اور ارتقاء ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے۔"

حضرت علامہ اقبال نے دو خواب دیکھے تھے ایک ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطہ زمین جہاں اللہ کا دین نافذ ہو اور دوسرا عالمی سطح پر اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور ایک جہان نو کی تخلیق۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے اس عظیم خواب کی تعبیر نہ دیکھ سکے کیونکہ 1938ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ 23 مارچ 1940ء کو قائد اعظم محمد علی جناح کی صدارت میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور 14 اگست 1947ء کو آزادی کا سفر انجام پذیر ہوا۔ حقیقت میں ہم سب پاکستانیوں کو علامہ اقبال کا تہہ دل سے مشکور ہونا چاہیے کہ انہوں نے ہمارے لیے الگ وطن کا خواب دیکھا اور قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے رفقاء نے اس خواب کی تعبیر پوری کی۔ کم از کم ایک ایسا خطہ ہمیں حاصل ہوا جہاں اسلام کو نافذ و قائم کر کے پوری دنیا کے سامنے اس عظیم نظام کی برکات کا عملی مظاہرہ کیا جا سکتا ہے۔ اب یہ مسلمانان پاکستان کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف اپنے محسنین کی محنت کا لحاظ کرتے ہوئے بلکہ ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اس کارواں کو اس عظیم مقصد کی طرف لے جانے میں اپنا کردار ادا کریں اور مملکت خداداد پاکستان میں اللہ کا دیا ہوا نظام نافذ کرنے کی محنت میں اپنا حصہ ڈالیں۔

ماہ ربیع الثانی اور گیارہویں

مفتی امان اللہ قائم خانی

استاذ و مسئول شعبہ تصنیف و تالیف، قرآن اکیڈمی یاسین آباد

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے انسانیت کی ہدایت کے لیے دنیا میں انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا، اور پھر انبیاء کے اس مبارک سلسلے کو اس ذات سراپا نور کے ساتھ ختم فرمایا جس کا نام نامی محمد عربی وہاشمی ہے۔ اور اپنی نعمتوں کو اس رحمۃ للعالمین کی بعثت پر تمام فرمایا، وہ سید المرسلین جس کے ذریعے انسانیت کو نہ صرف زندہ وجاوید کتاب ملی، بلکہ ایسی شریعت بھی ملی جو تا قیامت جاوداں رہنے والی ہے، جس کی پیروی جناب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے لیے بھی باعث افتخار ہوگی۔

اللہ نے جس شریعت کو تا قیامت برقرار رکھنا تھا اسے ایسا مستقیم بنایا کہ اس میں زیغ و ضلال کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ اس کی بنیاد قرآن و سنت پر قائم کی جسے حبل اللہ المتین کہا گیا، یعنی اللہ کی مضبوط رسی۔ اس کی حفاظت کے لیے غیبی انتظام کے ساتھ ساتھ بہت سے دنیاوی امور بھی قائم فرمائے، مثلاً ہر زمانے میں ہزاروں مفسرین، محدثین اور فقہاء کی جماعت قائم فرمائی جو اس دین کو ہر قسم کی کجی و گمراہی، زیغ و ضلال، فتن و نقم سے بچاتے رہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ تا حال بھی جاری ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارے لیے یہ لازمی ہے کہ ہم دین اسلام شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام پر اسی طرح گامزن رہیں جس طرح آیات مبارکہ اور سنت مطہرہ کی روشنی میں اس شریعت کو واضح کیا گیا۔ فرمان نبوی ہے کہ اس علم کو ہر دور میں ایسے متوسط لوگ حاصل کرتے رہیں گے جو اس دین کے اندر سے حد سے متجاوز لوگوں کی تحریف، سرکشوں کی آمیزش اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہیں گے۔ یہ حدیث جہاں اس علم دینی پر اعتماد کا ثبوت پیش کرتی ہے وہیں یہ اطلاع بھی دیتی ہے کہ ہر دور میں کچھ افراد کی طرف سے اس دین میں تحریف، آمیزش، اور تاویل کی آڑ میں کچھ نہ کچھ فساد برپا کرنے کی کوشش کریں گے۔ لہذا یہ سلسلہ بھی اسی دور سے تا حال جاری ہے۔ بدعت پرستوں کی بدعات بھی اسی زمرے میں داخل ہیں۔ عوام الناس جو یقیناً اپنے دلوں میں دین کا درد رکھتے ہیں، اور وہ دینی اعمال کی محبت ہی میں چاہتے ہیں کہ جتنا ہو سکے اعمال دینیہ اور صدقہ و خیرات کرتے رہیں۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ماہ ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس منایا جاتا ہے، اور اسی عرس کی نسبت سے اس تاریخ کو "بڑی گیارھویں" یا "گیارھویں شریف" کہا جاتا ہے۔ پھر اس روز دیگیں یا زیادہ سے زیادہ کھانا پکا کر اس پر فاتحہ لگائی جاتی ہے اور اسے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور علمی اعتبار سے کبھی اس پر استحباب کا حکم لگایا جاتا ہے تو کبھی اسی چیز کو راہ حق کی نشانی کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح یہ چیز جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں عوام الناس کی نظروں میں دین کا ایسا ضروری حصہ بن گئی جس کی خیر القرون میں کوئی مثال موجود نہیں۔

واضح رہے کہ کسی بھی ایسے عمل کو دین کا حصہ بنانا جو دین میں محض جائز بھی ہو یہ بدعت کہلاتا ہے۔ قرآن و سنت میں اور اسی طرح صحابہ کے

اجماع میں یا بعد میں آنے والے مجتہدین نے اپنے اجتہاد میں جب ایسی کوئی چیز بیان نہیں کی جو دین کا حصہ ہو تو اسے دین کا حصہ سمجھنا نری بدعت ہے، اور بدعت جو بھی ہو گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہوتی ہے۔

"تحفۃ الہند" میں مولانا عبید اللہ لکھتے ہیں

"ہندوؤں کے ہاں میت کو کھانے کا ثواب پہنچانے کا نام "سرادھ" ہے اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو پہلے اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ "وید" پڑھواتے ہیں اور مُردوں کے لیے ثواب پہنچانے کے لیے ان کے ہاں خاص دن مقرّر ہیں، خصوصاً جس دن (وہ) فوت ہو، ہر سال اسی دن ختم دلانا یعنی برسی یا موت کے تیرھویں دن، بعض کے نزدیک پندرھویں دن اور بعض کے نزدیک تیسویں یا اکتیسویں دن، ثواب پہنچانے کے لیے مقرر ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی تیجہ، ساتواں، چالیسواں اور برسی مقرر کر لیے اور کھانا تیار کروا کر اس پر ختم پڑھوانا شروع کر دیا؛ حالاں کہ رسول اللہ ﷺ سے ان میں سے کوئی رسم بھی ثابت نہیں۔" (مسلمانوں میں ہندوانہ رسوم و رواج: ۲۳، دارالاندلس)

مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ختمِ گیارہویں کا رواج نہ زمانۂ رسالت میں تھا نہ عہدِ خلافت میں، اس لیے بدعت ہے۔ حدیث میں ہے، آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کام ہم نے نہ بتایا ہو، نہ کیا ہو۔۔۔۔ وہ مردود ہے، اس لیے ایسی بدعت کی مجلس میں شریک ہونا یا اس چیز کا کھانا گناہ ہے، خدا کے واسطے دینا منع نہیں، لیکن گیارہویں کے نام سے کرنا شرک یا کم سے کم بدعت ہے۔ ایسے افعال سے خود حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرمایا ہوا ہے۔" (فتاویٰ ثنائیہ: ۳۵۸/۱)

اسی طرح مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں:

"اگر کوئی مالی یا بدنی عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائے اور بزرگانِ دین میں سے کسی کو اس غرض کے لیے اس کا ثواب ایصال کیا جائے کہ وہ بزرگ اس ہدیے سے خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہدیہ بھیجنے والے کے سفارشی بن جائیں، تو یہ ایک ایسا مشتبہ فعل ہے، جس میں جواز و عدمِ جواز بلکہ گناہ اور فتنے کی سرحدیں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جاتی ہیں اور میں کسی پرہیزگار آدمی کو یہ مشورہ نہ دوں گا کہ وہ اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالے۔ رہے وہ کھانے جو صریحاً کسی بزرگ کے نام پر پکائے جاتے ہیں اور جن کے متعلق بالفاظِ صریح یہ کہا جاتا ہے: یہ فلاں بزرگ کی نیاز ہے اور جن کے متعلق پکانے والے کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ یہ ایک نذرانہ ہے، جو کسی بزرگ کی روح کو بھیجا جا رہا ہے اور جن سے متعلق ہمارے یہاں طرح طرح کے آداب مقرر ہیں اور بے حرمتی کی مختلف شکلیں ممنوع قرار پائے ہیں اور ان نیازوں کی برکات اور فوائد کے متعلق گہرے عقائد پائے جاتے ہیں، تو مجھے ان کے حرام اور گناہ ہونے بلکہ عقیدۂ توحید کے خلاف ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔" (رسائل ومسائل: ۲۰۸/۲)

درج بالا عبارت میں ہم نے مختلف مکاتب فکر کے علماء سے اس کام کا بدعت ہونا نقل کر دیا ہے۔ الغرض یہ کوئی ایسا دقیق یا علمی معاملہ ہے بھی نہیں کہ جس کا بدعت ہونا انتہائی تحقیق کا متقاضی ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اللہ کا وہ دین جو حبل اللہ المتین ہے، جو اس نے مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر ہمیں امام المرسلین کے ذریعے سے عطا کیا، اس کو صحیح نہج پر سمجھا جائے، اور اپنے تمام تر نیکیوں کی جذبات کو اسی روشنی میں پورا کرنے کی ٹھان لی جائے۔ یاد رکھیں کہ دین مستقیم بلا شبہ ایک سیدھا راستہ ہے، اِدھر اُدھر کی پگڈنڈیاں راستہ بھٹکانے کے لیے ہیں، جنہیں قائم کرنے والا ابلیس لعین و شیطان مردود ہے، وہ اپنی بنائی پگڈنڈیوں کو خوش نما اور مزین کر کے دکھاتا ہے اور اس طرح ایک شریف اور سادہ نفس تلبیس ابلیس میں کھو کر جادۂ مستقیم کو کھو بیٹھتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو راہ راست پر لائے اور استقامت بخشے، اور مکاید ابلیس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اقبال: احیائے فکر اسلامی کے علم بردار

راحیل گوہر صدیقی

معاون شعبہ تصنیف و تالیف، قرآن اکیڈمی یاسین آباد

فکر یا فلسفہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ اپنے طور پر اُن مسائل کا حل پیش کرتے ہیں جو کسی سماج میں مختلف عوامل سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر فلسفہ ایک انفعالی صفت رکھتا ہے، اس لیے کہ وہ اُن اسباب کا پیدا کردہ ہوتا ہے جو سماج میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض فلسفوں یا افکار کا ایک فاعلی کردار ہوتا ہے کہ وہ آنے والی فکر، سماجی ڈھانچوں اور سائنسی و معاشرتی علوم کی ترتیب و تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس طرح فکر و فلسفہ انسان کی زندگی سے ایک گہرا رشتہ رکھتے ہیں، اس کے باوجود کہ بعض فلسفیانہ افکار بظاہر زندگی کے مسائل سے لاتعلق معلوم ہوتے ہیں، یہ لاتعلقی محض کم نظری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

علامہ اقبال کو جو آفاقی درجہ حاصل ہوا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُن کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں بہت سے عناصر کارفرما رہے ہیں۔ ان میں سرِ فہرست وہ لوگ ہیں جو اپنے خیالات و افکار سے پوری طرح دنیا کو متاثر کر چکے ہیں۔ پھر یہ کہ اقبال صرف اسلامی فکر و فلسفہ ہی سے متاثر نہ تھے بلکہ مغربی فکر پر بھی انہوں نے غور و فکر کیا اور کہیں بھی موجود حکمت کو اپنی گمشدہ متاع تصور کر کے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ خود کہتے ہیں کہ "فلسفے میں قطعیت نام کی کوئی چیز نہیں۔" چناں چہ انہوں نے ہر چشمے سے اپنے دل و دماغ کو سیراب کیا۔ اگر ہم اقبال کی نظم و نثر کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ فلسفہ و فکر کے اعلیٰ درجے پر تھے۔ انہوں نے بہت سے مقامات پر شرق و غرب کے مفکرین سے نہ صرف اختلاف کیا ہے بلکہ اُن کے نظریات کا رد بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں اقبال پر بہت اعتراضات کیے گئے۔

اقبال کا کلام ہمارے شعور و احساس، قلب و وجدان اور اعصاب میں حرکت و حرارت، سوز و گداز اور درد و تپش پیدا کرتا ہے۔ وہ ایک شعلۂ جوّالہ بن کر بھڑک اٹھتا ہے جس کی گرمی سے مادیت کی زنجیریں پگھل جاتی ہیں، فاسد اور باطل اقدار جل کر فنا ہو جاتی ہیں۔ اُن کے کلام میں معنوی بندش کے ساتھ ساتھ لفظوں کی تراکیب، ہم آہنگی، اتار چڑھاؤ، روانی و تسلسل اور موسیقیت اس قدر زیادہ ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ عنصر جس نے اقبال کی شخصیت کو پروان چڑھایا، ان کی شاعری کو نت نئے افکار کی جولانی اور قوتِ تاثیر عطا کی، اس میں درس و تدریس اور مطالعہ کا شوق و انہماک کے ساتھ اُن کی "آہِ سحر گاہی" کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ جب سارا عالَم خوابِ غفلت میں پڑا سوتا رہتا، اس اخیر شب میں اقبال کا اٹھنا اور اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہونا، گڑگڑانا اور رونا ہی وہ چیز تھی جوان کی روح کو ایک نئی نشاط اور ان کے قلب کو ایک نئی روشنی عطا کرتی۔ اقبال کو یہ نعمتِ عظمیٰ عین عالَم شباب ہی میں حاصل ہوگئی تھی۔ ؎

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر گاہی!

اقبال کے نزدیک یہ زندگی کا ایک بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے، بڑے سے بڑے عالم، حکیم اور مفکر بھی اس سے مستغنی نہیں۔ چناں چہ فرماتے ہیں :

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

اقبال کے ہاں فکری گہرائی بھی ہے اور فنی رعنائی بھی۔ آپ بالِ جبریل پڑھیں یا ضربِ کلیم، آپ کے مطالعہ میں بانگِ درا ہو یا ارمغانِ حجاز، آپ محسوس کریں گے کہ اقبال کی نگاہ دوررس ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ملّت اسلامیہ کا ہر فرد اس منظر کا تماشائی بن جائے۔ "بانگِ درا" میں دل سے صدا نکلی :

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے، اوروں کو بھی دکھلا دے!
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر — خودداریٔ ساحل دے، آزادیٔ دریا دے!

اقبال کو ان کے فکر و فلسفہ کی آفاقیت کے علاوہ جس چیز نے ایک عہد ساز شخصیت بنانے میں اہم کردار ادا کیا وہ مسلمانوں کی معاشرتی اور سیاسی حیثیت اجاگر کرنے کی کوشش ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے خیالات کو مجتمع کرنے اور ایک مربوط شکل دینے کا فریضہ انجام دیا۔ فرماتے ہیں،

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اقبال کے پیش نظر دو اہم مسائل تھے جنھوں نے ان کی روح کو بے چین کیا ہوا تھا۔ ایک یہ کہ پورا عالم اسلام سامراج کے ہاتھوں پا بزنجیر ہے، دوسرا یہ کہ عالم گیر اخوت و مساوات کے اسلامی تصورات ہی امت مسلمہ کو نکبت و اِدبار کی اس کیفیت سے نکال سکتے ہیں۔ اقبال کے کلام کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس میں عمومی طور پر انسانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ انسان دوستی، احترام آدمیت اور عظمتِ انسان کی تائید و تفسیر کلامِ اقبال کی نمایاں خصوصیت ہے۔ کلامِ اقبال میں ایسے کئی اشعار ہیں جن کا موضوع انسان اور عالم انسانیت ہے۔

اقبال کو مسلمانوں کے صرف جاہ و منزلت سے محروم ہوجانے کا قلق نہیں تھا، بلکہ ان کا حاصلِ مطالعہ یہ تھا کہ مسلمانوں نے عِلم کی مسند بھی خالی کر دی تھی۔ دوسری طرف مغرب نے ان کے علمی اثاثہ کے بل بوتے پر فلسفہ جدید اور سائنس کی شاندار عمارت تعمیر کر لی تھی، اقبال نے اس حقیقت کی تہ کو پہنچنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں میں روشن خیالی پیدا نہ ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ مزید یہ کہ نشأۃ ثانیہ صرف ان تہذیبوں کا حصہ کیوں بنی جو یہودی اور عیسائی مسلکوں پر عمل پیرا تھیں!

اقبال کے نزدیک مسلمان معاشرہ میں زوال اور جمود کی تین وجوہات ہیں :

1) مسلمان تصوف کے زیرِ اثر عمل کی قوت سے محروم ہوگئے ہیں۔ مصیبت و ابتلا کو قسمت کے کھاتے میں ڈال کر اس کے مداوا کی کوشش نہیں کرتے۔ لاشعوری طور پر وہ ایک ایسا مزاج رکھتے ہیں جو حَرکی قوت سے محروم ہو چکا ہے۔

2) اپنے مذہب کی بنیاد انہوں نے ایسی منطق پر رکھ لی ہے جو ارسطو سے مستعار ہے۔ یہ حقیقت کو ایک زندہ اور فعال شے سمجھنے کے بجائے بے جان اور مجرد جوہر سمجھتی ہے۔ دراصل اس کو محض ایک منطقی نتیجہ کے طور پر سمجھا نہیں جاسکتا بلکہ وہ ایک زندہ حقیقت کی حیثیت سے انسانی وجدان کے راست تجربے میں محسوس ہو سکتا ہے۔

3) مسلمانوں نے اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیا ہے کہ ان کے مذہب کا "طاقت" کے ساتھ ایک لازمی رشتہ ہے۔ اسلام محکومی اور بے

بضاعتی زندگی کو صحیح نہیں سمجھتا۔ عمومی طور پر ایک انسان اور بالخصوص مسلمان اس دنیا میں اپنے تخلیقی عزائم پورے کرنے آیا ہے۔ اس کی منزل معرفت اور روحانی سکون نہیں بلکہ اضطراب اور عمل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب ایک روحانی تجربہ (احساس) ہے، لیکن یہ مقصود بالذات نہیں، بلکہ عمل کے لیے ایک مہمیز ہے۔ صوفی اور پیغمبر میں یہی فرق ہے کہ صوفی مقامِ وصال میں فنا ہو جاتا ہے جب کہ پیغمبر اس سے نکل کر عمل میں مصروف ہو جاتا ہے۔

اقبال کے عمل کا اصل محاذ مشرق ہے جب کہ اُن کی فکری افق پورا عالم ہے۔ وہ دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کے لیے مشرق کی سرزمین کو موزوں ترین سمجھتے تھے اور اس کی تکمیل پوری انسانیت کی سطح پر کرنے کے متمنی تھے۔ وہ ہماری ملّی تاریخ کے ایک بلند پایہ شاعر، دانش ور اور مفکر تھے، جنھوں نے شعوری طور پر آفاقیت کی سطح کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔

علامہ اقبال اسلامی قومیت کے علم بردار تھے۔ ان کی اسلامی اور ملّی شاعری آفاقیت کے منافی نہیں۔ در حقیقت اقبال کی انسان دوستی کو قرآن کے تصورِ توحید سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے۔ نظریۂ توحید ہی انسان کو خوف سے نجات دلاتا ہے اور مظلوم میں ظالم سے آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ اقبال کی تعلیمات کیا ہیں؟ اثباتِ ذات، یقینِ محکم، عملِ پیہم، آزادی، مساوات، اخوت، صداقت، عدالت، محبت، احترامِ انسانیت، تسخیرِ کائنات۔ یہ سب تعلیمات آفاقی اور اعلیٰ اقدار کی حامل ہیں۔

ہماری قومی تاریخ میں علامہ اقبال کی حیثیت سنگِ میل کی سی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد برصغیر میں اقبال ہی وہ شخصیت ہیں جنھوں نے تہذیبی سطح پر ہمیں وہ شعور دیا جو قوموں کی زندگی، بقا اور تسلسل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اقبال کے دور میں مسلمانانِ ہند اور پوری امت مسلمہ زوال کا شکار تھی۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد غلامی اور محکومیت کا طوق مسلمانوں کے گلے میں ڈال دیا گیا تھا۔ ظلم اور زیادتی کا ماحول چہار سو پھیلا ہوا تھا۔ ان ہی ناگفتہ بہ حالات میں اقبال نے مسلمانوں کی نبض پر ہاتھ رکھا اور اُن کے مرض کی تشخیص کی۔ انہیں خود شناسی کا سبق سکھانے کے لیے ایک عظیم فکری جہاد کیا۔ اپنی حوصلہ مند شاعری سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ انہیں احساس دلایا کہ غلامی کا یہ جوا اُتار پھینکنے کے لیے انہیں سخت محنت کرنا پڑے گی اور اگر وہ خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو دنیا سے ان کا وجود تک مٹ جائے گا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اقبال کی نظر میں اسلامی قومیت کا وِژن دیگر اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصول نہ اشتراکِ زبان ہے، نہ اشتراکِ وطن اور نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی، بلکہ ہم سب اس برادری کا حصہ ہیں جو نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشکیل فرمائی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں ؎

اپنی مِلّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!

اقبال ایک فرد نہیں، دبستان تھے۔ برکت، خیر و صداقت، روشنی و حلاوت اور حرارت کا زندۂ جاوید دبستان! تاریخ کے ایک خاص موڑ پر مسلم کلچر کی بساط پر اقبال جیسے نابغہ روزگار کا ظہور ایک عطیۂ خداوندی تھا۔ اقبال کے نزدیک اسلام نہ تو زمانۂ انحطاط کی خانقاہوں کے مراقبوں کا تختۂ مشق ہے، نہ واعظوں کا وسیلہ رزق اور نہ ژولیدہ مُو آشفتہ مغز سیکولر دانش وروں کا مؤید، بلکہ "قم باذن اللہ" کی حرارت سے مملو ایک زندہ حقیقت الحقائق ہے۔ اس سے انسانی حیات کے ٹھنڈے چولھے گرم ہوتے ہیں اور یہ دل کی رزم گاہِ حیات کا امین بنتا ہے۔ باعثِ ننگ ہے ایسے دانش وروں کا وجود جو قلب کے رہزن اور نظر کے ابلیس بن کر دھڑلّے سے دن دہاڑے ابنِ آدم کے سکون اور سکینت کے قافلے لوٹ لیتے ہیں، جب کہ لائق مبارک ہے

رحمتِ ربانی سے الہام یافتہ اقبال جیسے اربابِ نظر کا وجود جن کے افکار کے فیض سے انسانیت کو پورے قد سے بڑھنا اور کھڑا ہونا نصیب ہوتا ہے۔

اقبال کا سب سے پہلا مربّی و مرشد ان کا ایمان و یقین ہے۔ یہی ان کی طاقت و قوت اور حکمت و فراست کا منبع ہے۔ البتہ اقبال کا یقین خشک اور جامد ایمان کی طرح نہیں ہے بلکہ عقیدہ و محبت کا ایک حسی امتزاج ہے جو اُن کے قلب و وجدان، اُن کی عقل و فکر غرضیکہ اُن کی ساری زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال اسلام اور اس کے پیغام کے بارے میں نہایت راسخ الایمان تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت اور ان کا اخلاص انتہا درجہ کا تھا۔ ان کے نزدیک اسلام ایک ایسا زندۂ جاوید دین ہے جس کے بغیر انسانیت فلاح و سعادت کے بامِ عروج تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔

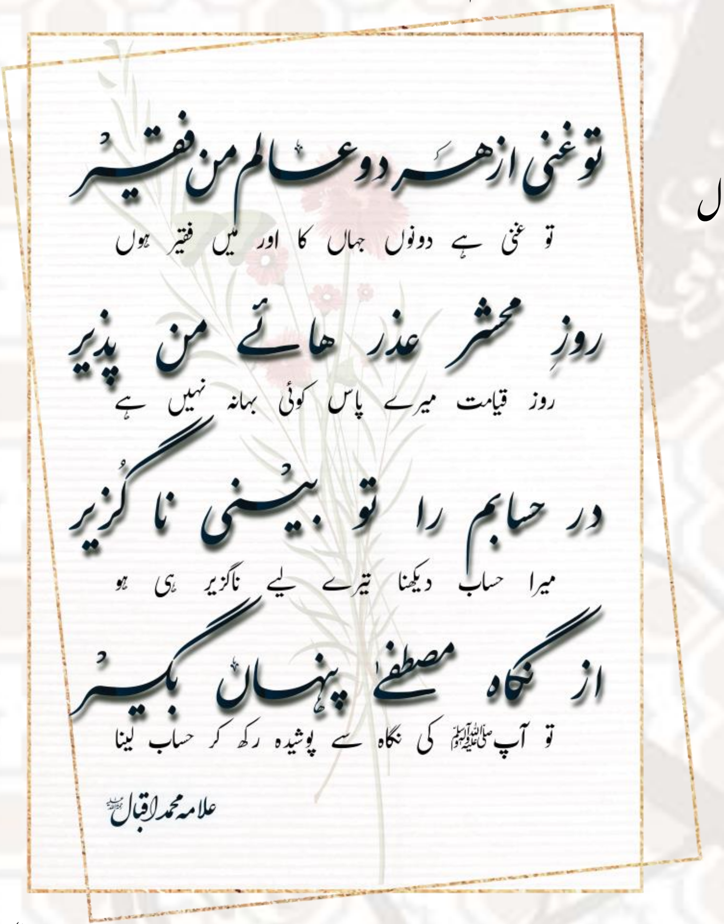

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

اس دورِ مادیت اور مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری چمک دمک سے اقبال کبھی متاثر نہ ہو سکے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اور فرمایا:

عذابِ دانش حاضر سے باخبر ہوں مَیں
کہ مَیں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

اور یہ بھی فرمایا:

رہے ہیں، اور ہیں فرعون میری گھات میں اب بھی
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا

علامہ اقبال نے اپنے فارسی کلام "اسرارِ خودی" میں ملت اسلامیہ کی بنیادوں کے سلسلے میں نبی مکرم ﷺ کے ساتھ اپنے روحانی تعلق، دائمی وابستگی اور اپنی فداکارانہ محبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ جب نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کا شعری وجدان جوش مارنے لگتا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

1908ء سے 1930ء تک پورے 22 برس اقبال نے اسلام کے نظامِ فکر، فلسفہ اور حکمت کو اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے بیان کیا۔ اسے قرآن کی ایک نہایت جدید اور عمدہ تفسیر کہا جا سکتا ہے، اگرچہ یہ "تفسیرِ اقبال" کے نام سے کہیں نہیں ملے گی، صاحبِ "تدبر قرآن" مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے فرصت کے چند ایام کے دوران علامہ اقبال کا پورا اردو اور فارسی کلام از ابتدا تا انتہا نظر سے گزار لیا تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اپنے تاثر کی شدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:

"قرآن حکیم کے بعض مقامات کے بارے میں مجھے کچھ مان سا تھا کہ میں نے اُن کی تعبیر جس اسلوب سے کی ہے شاید کوئی اور نہ کر سکے۔ لیکن علامہ اقبال کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ وہ اُن کی تعبیر مجھ سے بہت پہلے اور مجھ سے بہتر کر چکے ہیں۔"

اقبال، قرآن کو ہی امت مسلمہ کی رفع اور بلندی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اپنی نظم "جوابِ شکوہ" میں لکھتے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

علامہ اقبال نے مغربی فکر پر شدید تنقید اور مغربی تہذیب کی نفی کی۔ وہ تجدید ملت اور اسلامی احیائے فکر کے علم بردار بن کر سامنے آئے۔ سب جانتے ہیں کہ اُس دور میں سلطنتِ عثمانیہ کی دھجیاں بکھر گئی تھیں اور نوآبادیاتی استعمار پورے عالمِ اسلام پر حکمراں تھا۔ ایسے حالات میں اقبال نے یہ خوش خبری دی کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ہو کر رہے گی۔ اس طرح اقبال اسلام کے روشن مستقبل کے بشر بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ وطنی قومیت کا شدت سے انکار کیا۔ اُس دور میں ہندومت کی تجدید کا عمل بڑے زور و شور سے شروع ہو چکا تھا۔ بنکم چٹرجی ہندومت کے احیا کا بہت بڑا علَم بردار تھا۔ اُس نے "بندے ماترم" کا ترانہ پیش کیا۔ اقبال نے اپنی نظم "وطنیت" میں اس کی شدید نفی کی ہے۔

یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ بطورِ قوم ہم نے اقبال کا تذکرہ ماند نہیں پڑنے دیا۔ ہمارا کم و بیش ہر بیانیہ اور ہر مکالمہ کسی نہ کسی حوالے سے اقبال سے ضرور متاثر اور متعلق ہوتا ہے۔ سال میں دو مواقع ایسے ضرور آتے ہیں جب اقبال کا ذکر پورے زور و شور سے کیا جاتا ہے، یعنی 9 نومبر اُن کی یومِ پیدائش اور 21 اپریل یومِ وفات پر! تاہم اس کے ساتھ ہی یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اقبال کے ذکر کو ایک رسمی انداز سے آگے نہیں بڑھا سکے۔ فکرِ اقبال کی جو تفہیم کی جانی چاہیے تھی وہ عوام الناس کی سطح پر تو کیا ہوتی، علمی اور تحقیقی اداروں میں بھی کما حقہ نہ ہو سکی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا قومی و ملکی نظام اور اجتماعی اسلوبِ فکر و عمل فکرِ اقبال سے کوسوں دور ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال کی فکر اور رہنمائی قیامِ پاکستان کی اساس ہے، جس کا اعتراف بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی کیا تھا۔ یہ ایک المیہ ہے کہ نسل نو کو ایک مربوط اور منظم انداز سے فکرِ اقبال سے روشناس کروانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ آج ہمیں طرح طرح کے چیلنجوں کا سامنا ہے، اس کی وجہ سے یہ تقاضا اور بھی بڑھ گیا ہے کہ ہم اقبال کا تذکرہ محض رسمی حد تک محدود نہ رکھیں بلکہ فکرِ اقبال کو اپنے قومی نظامِ تعلیم و تربیت کا حصہ بنائیں، ان کے خیالات کی روشنی میں، جدید انکشافات و اکتسابات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے مشن کو آگے بڑھائیں۔ مسلمانوں کے موجودہ حالات سے چشم پوشی اختیار کرنا اقبال کی تعلیمات کی ناقدری ہے اور یہ امت مسلمہ کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں۔

اقبال کے حکیمانہ افکار کا سرچشمہ صرف ایک تصور ہے جسے انہوں نے "خودی" کا نام دیا ہے۔ ان کے تصورات اس سے علمی اور عقلی طور پر وابستہ ہیں۔ اقبال کا فکر ایک ایسے نظامِ حکمت کی صورت میں ہے جس کا ہر تصور دوسرے تمام تصورات سے علمی اور عقلی تائید حاصل کرتا ہے۔ جب تک ہم نظامِ حکمت کے مرکز یعنی تصورِ خودی کو ٹھیک طرح سے نہ سمجھیں، اقبال کے تصور کو بھی ٹھیک طرح نہیں سمجھ سکتے۔

خودی ہی کے دم سے زندگی اور اس کی قوتِ تسخیر ہے۔ خودی کے معنی ہیں اپنی فطرت پر برقرار رہنا اور اپنی ہستی کو مستحکم کرنا۔ جس کسی نے خودی کے اس سبق پر عمل کیا اس نے گویا اپنے آپ میں تسخیر قوت پیدا کرلی۔ اقبال نے اس حقیقت کو چاند، زمین اور سورج کی مثال سے واضح کیا ہے۔ زمین کی ہستی چاند سے زیادہ مستحکم ہے، سو چاند زمین کے تابع ہے اور اسی کے گرد گھومتا ہے۔ سورج کی ہستی زمین سے زیادہ محکم ہے، سو زمین اس کے تابع ہے اور اسی کے گرد گھومتی ہے۔

فرد کو لازم ہے کہ اپنی خودی کی تکمیل اور تربیت کرے لیکن اگر وہ خودی کی حدود کے اندر رہے تو اس کی زندگی کامیاب نہیں ہوتی۔ فرد کا رابطہ ملت کے ساتھ نہایت ضروری ہے، اس کا وقار، اس کی عظمت، اس کا احترام ملت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز تنبیہ۔۔۔(تیسری قسط)

مولانا محمد آصف

یہ باب درج ذیل عناوین پر مشتمل ہوگا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمومی انداز تنبیہ

کم عمر بچوں کو متنبہ کرنے کا انداز

تنبیہ کا عمومی انداز:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمومی انداز تنبیہ میں رفق وکرم اور شفقت نظر آتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانی:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن تعلیم کی گواہی ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے والے ایک صحابی یوں دیتے ہیں:

حضرت معاویہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں جس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا کہ لوگوں میں سے ایک شخص کو چھینک آگئی، تو میں نے کہا: یرحمك الله (اللہ آپ رحم فرمائے) تو لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کردیا، تو میں نے کہا: ہائے میری ماں مجھے گنوا دے، تمہیں کیا ہوگیا کہ مجھے دیکھے جا رہے ہو؟ تو وہ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے، چنانچہ جب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں تو میں خاموش ہوگیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔(بس میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں میں نے ان سے بہتر معلم نہ ان سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں) خدا کی قسم نہ انہوں نے مجھے جھڑکا اور نہ مارا اور نہ ہی برا بھلا کہا، بس اتنا فرمایا کہ نماز تو بس اللہ کی پاکی بیان کرنا اور اس کی تعریف کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے کا نام ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 537)

بچوں/طلبہ/ماتحتوں کی غلطی سے صرف نظر کرنا بھی ان کے اندر اچھے تاثرات کو جنم دیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں غزوۂ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو چوک ہوئی تھی، اسی سیاق میں اللہ تعالی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرماتے ہیں کہ آپ اللہ کی رحمت سے ان کے ساتھ نرم پڑ گئے، اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بکھر جاتے۔ معلوم ہوا کہ بچوں/طلبہ/ماتحتوں کی غلطیوں کو معاف کردینا، ان کا اپنے سربراہوں سے قریب ہونے کا باعث بنتا ہے، اور تند خوئی سے پیش آنا ان کی دوری کا باعث بنتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بدو اٹھا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا، تو لوگوں نے اسے پکڑا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: اسے چھوڑ دو اور ایک پانی کا ڈول اس کے پیشاب پر بہا دو۔ کیوں کہ تمہیں آسانیاں پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور مشکلات پیدا کرنے

والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (صحيح البخاري، رقم الحديث: 220)

سابقہ قصے کی طرح یہ بھی نووارد کا قصہ ہے، اس میں بھی وہی انداز تنبیہ اپنایا گیا۔

نبی اکرم ﷺ کا خود صحابہ کرام کو نرمی کی تلقین فرمانا:

نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تو فرمایا: آسانیاں پیدا کرنا اور مشکلات پیدا مت کرنا، خوش خبریاں سنانا اور متنفر مت کرنا، باہم متحد رہنا، اختلاف مت کرنا۔ (صحيح البخاري، رقم الحديث: 3038)

چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کسی دو امور میں اختیار دیا گیا تو اس میں آسان امر کو ہی چنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ: یہودی لوگ السام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا کرتے تھے۔ تو عائشہ کو ان کی بات سمجھ آگئی، تو اس نے کہا: تم پر موت اور لعنت ہو۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عائشہ ذرا ٹھہر جاؤ تحمل سے کام لو کیوں کہ اللہ تعالی ہر کام میں نرمی کو پسند کرتے ہیں۔ تو عائشہ نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ نے نہیں سنا وہ کیا کہہ رہے ہیں؟! نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ میں انہیں اس کا جواب دیتا ہوں اور کہتا ہوں: اور تم پر بھی۔ (صحيح البخاري، رقم الحديث: 6024)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جو شخص نرمی سے محروم ہو جاتا ہے تو وہ تو خیر سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ (صحيح مسلم رقم الحديث: 2592)

"نبی اکرم ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عائشہ اللہ تعالی کی ذات نرمی پسند، مہربان ذات ہے۔ اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتے ہیں جو سختی پر عطا نہیں فرماتے، اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی اور چیز پر عطا فرماتے ہیں۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث: 2593)

نبی اکرم ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے تو اسے مزین ہی کرتی ہے اور جس سے سلب کی جاتی ہے تو اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔ (صحيح مسلم رقم الحديث: 2594)

اپنی معمولاتی زندگی میں آنحضرت ﷺ کا نرمی برتنا:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب ہم مقام عرج پر پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے پڑاؤ ڈالا اور ہم نے بھی۔ پھر عائشہ نبی اکرم ﷺ کے برابر میں جا بیٹھیں، اور میں اپنے والد کے پہلو میں جا بیٹھی۔ اور نبی اکرم ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک ہی اونٹ ابو بکر کے غلام کے پاس تھا تو ابو بکر بیٹھ کر اس غلام کے آنے کا انتظار کرنے لگے اسی اثنا میں وہ نمودار ہوا تو اس کے ہمراہ اس کا اونٹ نہیں تھا، تو ابو بکر نے فرمایا: تمہارا اونٹ کہاں ہے؟ تو اس غلام نے جواباً کہا کہ وہ تو میں نے رات کھو دیا تھا! راوی کہتے ہیں تو ابو بکر نے فرمایا ایک ہی اونٹ تھا وہ بھی تم غائب کردو گے! راوی کہتے ہیں: تو ابو بکر غلام کی پٹائی کرنے لگے اور نبی اکرم ﷺ مسکرا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں: اس حاجی صاحب کو دیکھیے یہ کیا کر رہے ہیں! ابن ابی رِزمہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی اس بات پر کوئی اضافہ نہیں فرما رہے تھے کہ: اس حاجی صاحب کو دیکھیے یہ کیا کر رہے ہیں! (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: 1814)

(یہ ترجمہ میرے انتہائی مشفق، مہربان استاذ مولانا عزیز الرحمن صاحب دام ظلہ کا ہے، جو انہوں نے ہمیں سنن ابی داؤد پڑھاتے ہوئے فرمایا تھا۔)

بچوں کو تنبیہ کرنے کا انداز:

احادیث مبارکہ کے مجموعے میں بچوں کو متنبہ کرنے میں عموماً صراحت و بے تکلفی اور بعض مواقع پر ہاتھ سے روکنے کے مناظر بھی نظر آتے ہیں، کیوں کہ عمر کے اس مرحلے میں وہ منفی اثرات کے ترتب سے بالکل پاک ہوتے ہیں، اور اگر منفی اثرات آ بھی جائیں تو وہ زیادہ دیر پا نہیں ہوتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقے کی کھجور میں سے ایک دانہ لیا اور اسے منہ میں رکھ لیا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کخ کخ، اسے پھینک دو، کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم صدقے کا مال نہیں کھاتے؟ (صحيح مسلم، رقم الحديث: 1049)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں، جبکہ وہ غسل فرما رہے تھے، تو آپ ﷺ نے پانی کا چلو لیا اور اسے میرے چہرے پر مارا اور فرمایا: ارے کم عقل پیچھے ہٹ جا۔ (مجمع الزوائد، رقم الحديث: 1459)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مجھے کسی کام سے بھیجا، تو میں نے کہا اللہ کی قسم میں تو نہیں جاؤں گا، جبکہ میرے دل میں یہ تھا کہ اللہ کے نبی مجھے جس بات کا بھی حکم کریں گے، میں جاؤں گا۔ لہذا میں روانہ ہو گیا اور بازار میں کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گزرا، تو اچانک رسول اللہ ﷺ نے مجھے پیچھے سے میری گدی سے پکڑا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا تو وہ ہنس رہے تھے۔ تو فرمایا: اے انیس (بصیغہ تصغیر جو کلام عرب میں مختلف معانی کو متضمن ہوتا ہے اور یہاں بطور محبت چھوٹے پن کے معنی لیے ہوئے ہے: میرے چھوٹے انس) جہاں جانے کا کہا تھا کیا آپ وہاں گئے تھے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ابھی جاتا ہوں۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث: 2310)

حضرت رُبَیِّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے وہ کہتی ہیں کہ میری رخصتی والے دن نبی اکرم ﷺ میرے یہاں تشریف لائے، اور جتنے قریب میرے آپ (راوی) بیٹھے ہیں اتنے ہی قریب آ کر تشریف فرما ہوئے، اور کچھ بچیاں دُف بجا رہی تھیں، اور بدر والے دن ان کے جو آباؤ اجداد شہید ہوئے تھے ان کے محاسن گنگنا رہی تھیں، یہاں تک کہ ایک بچی نے کہا: اور ہمارے درمیان ایسے پیغمبر ہیں جو آئندہ کل ہوگا اسے بھی جانتے ہیں۔ تو فوراً نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کہو اور جو تم کہہ رہی تھیں وہی کہو۔ (صحيح البخاري، رقم الحديث: 4001)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرمان عالی شان میں تصویب اور تنبیہ دونوں کو جمع فرما دیا کہ علم غیب کی نسبت میری طرف مت کرو، اور پہلے جو گنگنا رہی تھیں وہ درست تھا، تو ان کے اس ارشاد گرامی سے یہ امر بھی مستأنس ہوا کہ خطا کار کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا جیسے اس کا حق ہے ایسے ہی اس کی اچھی بات پر حوصلہ افزائی کرنا اور سراہنا بھی اس کا حق ہے۔

جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

اقبال کا فکری جہاد

ابن مجید سیماب

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھنا اور جاننا ضروری ہے کہ سیرت کا مطالعہ ناگزیر کیوں ہے کیونکہ بحثیت مسلمان اور انسان اللہ نے ہمارے لیے دنیا و آخرت کی تمام تر رہنمائی کامیابی و کامرانی نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کی اطاعت واتباع میں رکھی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال برصغیر کی ان جلیل القدر ہستیوں میں شامل ہیں جنہوں نے اس خطے کے مسلمانوں کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے جداگانہ قومیت کا احساس اجاگر کیا اور ایک الگ وطن کا تصور دیا۔ انہوں نے انگریز اور ہندو کی سیاسی اور اقتصادی غلامی میں جکڑے ہوئے مسلمانانِ ہند کی کسمپرسی اور کم مائیگی کا احساس کرتے ہوئے ان کے لیے ایک الگ خطۂ ارض کی ضرورت محسوس کی اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے خطبہ الہ آباد میں مسلمانوں کی الگ مملکت کا پورا نقشہ پیش کردیا۔ اور پھر ایک دردمند مسلم لیگی قائد کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کو جو انگریز اور ہندو کی غلامی میں جکڑے ہوئے مسلمانوں کی حالتِ زار سے مایوس ہوکر مستقل طور پر لندن کوچ کر گئے تھے، خط لکھ کر واپس آنے اور اسلامیانِ ہند اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھالنے کے لیے قائل کیا۔ چنانچہ قائداعظم نے ہندوستان واپس آکر علامہ اقبال کی معیت اور رہنمائی میں مسلمانانِ برصغیر کی سیاسی غلامی کے ساتھ ساتھ متعصب ہندو بنیا کی اقتصادی غلامی سے بھی نجات دلانے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔

علامہ اقبال کے آباو اجداد اگرچہ کشمیری برہمن تھے لیکن قبولِ اسلام کے بعد ان کے مزاج میں اسلامی تہذیب، قرآنی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ بنیادی عناصر کے طور پر رچ بس گیا تھا۔ یہ عناصر خالصتاً مذہبی بھی تھے اور جمالیاتی بھی۔ ان کے حیات افروز پیغام نے دلوں کو گرمایا، روحوں کو تڑپایا، حوصلوں میں ابھار پیدا کیا، خودی اور خودداری کے جذبے کو استحکام بخشا اور دماغوں میں رفعت و بلندی پیدا کی یہاں تک کہ قوم کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھی اور وہ جوشِ عمل سے سرشار ہوکر باوقار زندگی کی سرحد پر جا کھڑی ہوئی۔

اقبال کے فکری کارنامے کے دو پہلو ہیں...... سب سے پہلے انہوں نے اپنے ماحول کا جائزہ لیا اور اس میں ان عناصر کی نشان دہی کی جو برصغیر کے مسلمانوں کی ذہنی غلامی کا سبب تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اسی جائزے کی روشنی میں آزادی اور ترقی کی راہ متعین کی، ان کا اپنا ذہن اور پسِ منظر اسلامی تھا اور انہوں نے اسی نقطہ نظر سے تمام مسائل کا مطالعہ کیا، اس کے مطالعے سے اقبال نے دیکھا کہ مسلمانوں میں ذہنی نشوونما ختم ہوچکی ہے۔ انہوں نے جو نتائج اخذ کیے وہ محض ایک عمومی نوعیت رکھتے ہیں۔ وہ تقلید کے بندے بن چکے ہیں علم و حکمت کا وہ خزانہ جو ان کو ورثہ میں ملا تھا وہ اسے دوسری قوموں کے حوالے کر چکے ہیں۔ تجربے اور مشاہدے سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس سے لاتعلق ہوچکے ہیں۔ زندگی کی عملی قوتیں سلب ہوچکی ہیں حق و باطل میں امتیاز کرنے اور باطل قوتوں کے خلاف جہاد کی صلاحیت تقریباً فنا ہوچکی ہے۔ اقبال نے

دیکھا ایک طرف دین چھوٹے چھوٹے متنازعہ فیہ مسائل کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے اور دوسری طرف نئے نئے افکار اور تصورات جو انگریز حکومت کے ساتھ برصغیر کی سرزمین میں داخل ہوئے تھے، مسلمان انہیں اپنے لیے چراغِ راہ سمجھنے لگے ہیں۔ انگریزوں نے رنگ، نسل اور جغرافیائی قومیت کے تصورات کو اس طرح پیش کیا کہ جیسے وہ کوئی الہامی چیز ہو۔ اور مسلمانوں کی نسلِ نو نے اس تعلیم کو ویسے ہی قبول کر لیا۔ مغرب کی ہر چیز انہیں اچھی لگنے لگی اور وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک طرف تو وہ گروہ جو شدت سے پرانی روایات کا پابند تھا اور مغرب کی طرف سے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا، جبکہ دوسرا وہ گروہ جو اپنی ہر چیز کو برا اور باہر سے آئی ہوئی ہر چیز کو اچھا سمجھتا تھا۔ یہ طبقہ مغرب کی کورانہ تقلید کی نمائندگی کرتا تھا۔ اقبال نے جب اپنے فکری جہاد کا آغاز کیا تو ان کے نزدیک تعمیرِ فکر سے پہلے تطہیرِ فکر لازم تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے کورانہ روایت پرستی اور اندھا دھند تقلید کے خلاف آواز اٹھائی۔

اقبال اجتہادِ مطلق کے قائل تھے اور دورِ حاضر کے مسائل اور ضروریات کے پیشِ نظر اسلام کے لازوال اصولوں کی بنیاد پر اسلامی فقہ کی ایک نئی تشکیل چاہتے تھے۔ انہوں نے پرانے اور نئے دونوں مسائل پر نظر ڈالی ان دونوں ہی سے جو بہتر صحت بخش اور حیات پرور نظر آیا انہوں سے اسے اختیار کیا اور دنیا کے سامنے رکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ بادشاہت، سلطانی اور تصوف نے مسلمانوں کو افکار و کردار کی آزادی سے محروم کر دیا ہے۔ ان کا کلام ان تصورات کے خلاف ایک مستقل جہاد ہے۔ جہاد کی عجمی تحریکوں میں سب سے بڑی تعلیم نفی خودی کی ہے، یعنی انسان کو اپنی خودی کی پرورش اور انضباط کے بجائے اسے فنا کر دینا چاہیے اور زندگی کی جنگ ایک سپاہی کی طرح لڑنے کے بجائے لاتعلق ہو کر بیٹھ جائے اور اسی گوشہ عافیت کو اپنی معراج سمجھے۔ اپنی نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں ابلیس کی زبانی اسی حقیقت کا اظہار کروایا۔

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے

پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے

اقبال نے اس غیر اسلامی نظریے کے خلاف جو بدھ مت کے نروان کے تخیل سے ماخوذ ہے مسلسل اور مستقل جہاد کیا ہے۔ ان کے نزدیک حرکت و کوشش پیہم زندگی ہے اور سکون و آرام موت، زندگی کی پرورش ان مقاصد سے ہوتی ہے جنہیں انسان اپنا نصب العین بنا لے اور سب سے بڑا مقصد نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود ہے۔

اقبال نے مغرب پر بھی تنقید کی، یہ ایسی کڑی تنقید تھی کہ آج بھی جب ہم دیکھتے ہیں ہمیں نہ صرف اقبال کی بصیرت غیر معمولی نظر آتی ہے بلکہ ان کی دیانت داری اور بے باکی و حق گوئی حیرت انگیز دکھائی دیتی ہے۔ مغربی تہذیب کی عقلیت پرستی کو وہ ایک مکمل نظامِ حیات کا رتبہ دینے کو تیار نہیں، بلاشبہ عقل بہت مفید اور کارآمد چیز ہے مگر انسان کے بلند ترین مقاصد محض عقل کی پیروی نہیں کرتے۔

اقبال نے اسلام کے ابدی اقدار کو جن کی بنیاد توحیدِ باری تعالیٰ، وحدتِ انسانی، تسخیرِ فطرت مسلسل جدوجہد، تعمیرِ خودی اور ایک مستقل رجائیت پر مبنی ہے، موجودہ زمانے کے فلسفیانہ تصورات کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ وہ ملوکیت اور اشتراکیت دونوں کو انسانیت کے لیے ایک لعنت سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا کی مشکلات کا حل اگر کہیں ہے تو اسلام میں ہے۔

بدگمانی اور تجسس

حافظ محمد اسد

استاذ، قرآن اکیڈمی یاسین آباد

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ کسی کو بولنے کی صلاحیت دی ہے تو کسی کو لکھنے کی، کوئی یہ دونوں کام تو نہیں کر سکتا لیکن اُس کے اندر "دعوت دین" کا کام کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہوتی ہے، لیکن جب انسان کو اپنے سے زیادہ دوسرے لوگوں کے "عیب وہنر" کی فکر دامن گیر ہونے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس شخص نے اپنی صلاحیتوں کو غلط سمت میں لگا کر اپنی اخلاقی تباہی کی طرف قدم بڑھالیا ہے۔ اس روحانی بیماری کا آغاز بدگمانی سے ہوتا ہے، جب ضرورت سے زیادہ بدگمانیاں ہوں گی (تو غیبت اور حسد جیسے) مہلک امراض پیدا ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ بدگُمانی کے حرام ہونے کی صورت کیا ہے؟

علامہ بدرُالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (شارح بخاری) فرماتے ہیں: "گُمان وہ حرام ہے جس پر گُمان کرنے والا مُصِر ہو (یعنی اصرار کرے) اور اسے اپنے دِل پر جمالے، وہ گُمان جو دِل میں آئے اور قرار نہ پکڑے وہ مذموم نہیں۔" بحوالہ (عمدة القارى، ج۱۵، ص۲۱۸، تحت الحديث :۶۰۶۵)

آج المیہ یہ ہے کہ "بدگمانی اور تجسس" ایسے گناہ ہیں جنہیں ہم نے گناہ سمجھنا چھوڑ دیا ہے حالانکہ قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے کہ بدگمانی کرنا بھی گناہ ہے اور کسی کی ٹوہ لگانا بھی حرام ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ حجرات کے دوسرے رکوع میں جن "معاشرتی برائیوں" کا ذکر کیا ہے ان میں بدگمانی اور تجسس کو بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہوجاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ

ترجمہ: "اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو۔" آیت کے اس حصے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو بہت زیادہ گمان کرنے سے منع فرمایا کیونکہ بعض گمان ایسے ہیں جو محض گناہ ہیں لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ گمان کی کثرت سے بچا جائے۔ (ابن كثير، الحجرات، تحت الآية: ۱۲، ۷ / ۳۵۲)

ہمارے معاشرے میں بدگمانی کا مرض عام ہے جیسے (موجودہ دور میں) جب کسی شخص کو موبائل پر فون کیا جاتا ہے اور وہ نہ اٹھا سکے تو سب سے

پہلے یہی گمان کیا جاتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر نہیں اٹھایا یا یہ بات نہیں کرنا چاہتا، اور ایسی یقینی کیفیت میں مسلسل اس شخص کی برائیاں دل ہی دل میں کرتا رہتا ہے، اور گناہوں کا بوجھ سمیٹتا رہتا ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ (معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے) وہ شخص کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے فون نہیں اٹھاتا، اسی طرح کسی کا خط اس کی بغیر اجازت دیکھنا بھی جائز نہیں، فی زمانہ خط وکتابت کا نظام چونکہ بدل چکا ہے اس لیے اس کا اطلاق موبائل پیغامات (sms&WhatsApp/Email) وغیرہ پر بھی ہوگا، اس حوالے سے بھی ہمارے ہاں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے۔ خاص طور پر میاں بیوی کے اکثر جھگڑوں کا سبب اسی موبائل کی بے احتیاطی کا نتیجہ ہوتا ہے، حدیث مبارکہ میں اس بارے میں سخت وعید ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَظَرَ فِي كِتَابِ أَخِيهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، فَإِنَّمَا يَنْظُرُ فِي النَّارِ».(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 1485)

"جس نے اپنے بھائی کا خط اس کی اجازت کے بغیر دیکھا (یعنی پڑھا) تو گویا وہ جہنم دیکھ رہا ہے۔"

اس روایت کی رو سے فی زمانہ اس معاملے میں احتیاط بے حد ضروری ہے۔ برے گمان سے بچنا ایک صاحبِ فہم انسان کا وتیرہ ہونا چاہیے۔

اچھے گمان کی عادت ڈالیے:

مسلمان سے اچھا گمان کرنا چاہیے اس طرح انسان کئی گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ برا گمان جو غیر ارادی طور پر دل میں آجائے وہ مذموم نہیں ہے البتہ اس گمان کو جمالینا اور سوچ میں پڑ جانا برا ہے، اِمام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بدگُمانی کے پختہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ مظنون کے بارے میں تمہاری قلبی کیفیت تبدیل ہوجائے، تمہیں اُس سے نفرت محسوس ہونے لگے، تم اُس کو بوجھ سمجھو، اس کی عزت واِکرام اور اس کے لیے فکر مند ہونے کے بارے میں سُستی کرنے لگو۔" بحوالہ (احیاء العلوم ، کتاب آفات اللسان، ، ج۳،ص۱۸۶)

اچھا گمان یہ ہے کہ ایک آدمی اگر رمضان المبارک کے موقع پر (دن کے اوقات میں) کسی ہوٹل سے نکل رہا ہے تو وسوسہ آئے گا کہ یہ روزہ دار نہیں ہے لیکن فوراً خیال کرے کہ کسی بیمار کے لیے کھانا لینے آیا ہوگا یا افطار کے لیے پہلے سے لے کر جا رہا ہے وغیرہ اسی طرح کسی نے فون نہیں اٹھایا تو سوچے کہ مصروف ہوگا اور اس شخص کے لیے خیر کی تمنّا کرے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں اچھے گمان کو "حسن عبادت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ نَصْرٌ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، قَالَ: «حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ».(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4993)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اچھا گمان رکھنا حسن عبادت میں سے ہے۔"

گویا اچھا گمان کرنا عبادت میں شامل ہوا اور جب برا گمان اور تجسس خرابیاں بھی پیدا کر رہا ہے اور نص قرآنی سے اس کا حرام ہونا بھی ثابت ہو گیا تو اب اچھا گمان کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ حکماء فرماتے ہیں اس کا سبب "تکبر" کے سوا کیا ہو سکتا ہے لہذا اس کا علاج بھی لازمی ہے۔

اپنے عیوب کی فکر کیجیے:

انسان کو اگر اپنے عیوب کی فکر دامن گیر ہو جائے اور اپنے انجام کی فکر میں لگ جائے کہ میرا رب مجھ سے ناراض نہ ہو اور جہنم کے آگ سے بچنے کی فکر ہو تو پھر کسی کے عیب پر نگاہ نہیں جائے گی، بہادر شاہ ظفر مرحوم فرماتے ہیں۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

یعنی جب اپنی برائیوں سے بے خبر تھے، اس وقت یہ حال تھا کہ کبھی کسی کی طرف دیکھ رہے ہیں اور کبھی کسی کی طرف، اور انہیں کو برا سمجھ رہے

ہیں، لیکن جب اپنے عیوب پر نظر پڑی تو کوئی برا نہ رہا۔

بدگمانی سے بچنے کی تدابیر:

(1)کسی بھی مسلمان کی خامیوں کو ٹٹولنے اور اس کی ٹوہ میں رہنے کے بجائے اس کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیے، جو ان کے متعلّق حسنِ ظن رکھتا ہے اُس کے دل میں راحتوں کا بَسیرا ہوتا ہے اور جس پر شیطان کا ہتھیار کام کر جائے وہ بدگُمانی کی بُری عادت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اُس کے دل میں وَحشتوں کا ڈَیرا ہوتا ہے۔

(2)بدگمانی سے توجہ ہٹا دیجیے:

جب بھی کسی مسلمان کے بارے میں دِل میں بُرا گُمان آئے تو اسے جھٹک دیجیے اور اس کے عمل پر اچھا گُمان قائم کرنے کی کوشِش فرمایئے۔

(3)خود نیک بنیے تاکہ دوسرے بھی نیک نظر آئیں عَرَبی مَقُولہ ہے: اِذَا سَاءَ فِعْلُ الْمَرْءِ سَاءَتْ ظُنُوْنُہٗ یعنی جب کسی کے کام بُرے ہو جائیں تو اُس کے گُمان (یعنی خیالات) بھی بُرے ہو جاتے ہیں، اپنی اِصلاح کی کوشِش جاری رکھیے کیونکہ جو خود نیک ہو وہ دوسروں کے بارے میں بھی نیک گُمان (یعنی اچھے خیالات) رکھتا ہے۔

(4)بری صحبت برے گمان پیدا کرتی ہے:

بری صحبت سے بچتے ہوئے نیک صُحبت اِختِیار کیجیے، جہاں دوسری بَرَکتیں ملیں گی وَہیں بدگُمانی سے بچنے میں بھی مدد حاصِل ہوگی۔ حضرتِ سیِّدُنا بِشْر بن حارِث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صُحْبَۃُ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْاَخْیَارِ یعنی بُروں کی صُحبت اچّھوں سے بدگُمانی پیدا کرتی ہے۔ بحوالہ (رسالہ قشیریۃ، باب الصحبۃ، ص۳۲۸۔)

(5)جب بھی دِل میں کسی مسلمان کے بارے میں بدگُمانی پیدا ہو تو خود کو بدگُمانی کے انجام اور عذابِ الٰہی سے ڈرایئے۔

(6)کسی مسلمان بھائی کے لیے دِل میں بدگُمانی آئے تو اُس کے لیے دُعائے خیر کیجیے اور اُس کی عزّت واِکرام میں اضافہ کر دیجیے۔

(7)جب بھی کسی کے بارے میں "بدگمانی" ہونے لگے تو اپنے رب کریم کی بارگاہ میں یوں دُعا مانگیے: یارب! تیرا یہ کمزور بندہ دُنیا و آخرت کی تباہی سے بچنے کے لیے اِس بدگُمانی سے اپنے دِل کو بچانا چاہتا ہے۔ یا اللہ! مجھے شیطان کے خطرناک ہتھیار "بدگُمانی" سے بچا لے۔ مجھے "حسن ظن" جیسی عظیم دولت عطا فرما دے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ ہمیں خوف خدا سے معمور دِل، رونے والی آنکھ اور لرزنے والا بدن عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اب عہد غلامی کر لو

ام محمد بن سعد

دل ہے کہ ہر پل غمگین ہے، دماغ ہے کہ اپنے فلسطینی عضو کے درد کو بھلا نہیں پا رہا۔۔۔اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ قلم لکھنے سے عاری ہے۔ ایک طرف مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے بارے میں، تو دوسری طرف انہی مسلمانوں کی بے حسی کے بارے میں۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمان تو جسدِ واحد کی طرح ہوتے ہیں جس کا ایک عضو تکلیف میں ہو تو سارا جسم بیمار ہو جاتا ہے۔۔۔پھر ہم کیوں درد محسوس نہیں کر پا رہے؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ یا جس طرح ایک شرابی نشے میں آکر ایسا مدہوش ہوتا ہے کہ اسے صرف fantasy یاد رہتی ہے اور ہر درد بھول جاتا ہے، ہم بھی نشے میں ہیں۔۔۔؟ ہاں! ہم نشے میں ہیں۔ دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا نشہ، بیرونِ ملک مقیم ہو جانے کا نشہ، بینک بیلنس بڑھانے کا نشہ، ایک مخصوص طبقے میں ڈگریاں حاصل کرنے کا نشہ۔۔۔اور۔۔۔ورلڈ کپ کا سستا نشہ۔۔۔کہ نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم۔۔۔بربادیِ وقت۔۔۔خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃَ!

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود! اور صیہونیوں کی کوششیں تو بتاتی ہیں کہ ان کو یقین ہے کہ ان کا مسیحا آئے گا اور ان کو فتح نصیب ہوگی۔۔۔ایک مسیحا ہمارا بھی تو آنا ہے، مگر ہم مومن ہونے کے باوجود ایمان کی کیفیت سے تہی دامن ہیں۔ بیت المقدس کس کا قبلہ ہے؟ شاید فلسطینیوں کا۔۔۔باقی امت اس سے لاتعلق بنی بیٹھی ہے۔ کل کو خاکم بدہن، اگر بیت اللہ پر حملہ ہو جائے، تب بھی ہمارا یہی ردِ عمل ہو گا؟ کرکٹ کھیلیں گے اور جیت "عربی بھائیوں کے نام" کر دیں گے؟ کیونکہ بیت اللہ تو ان کا ہے!

غزہ میں شہادت پانے والے بچوں کا درد کیوں ہمیں اپنے بچوں کی طرح محسوس نہیں ہوتا؟ کیوں ان عورتوں کو ہم اپنی مائیں اور بہنیں نہیں سمجھتے؟ کیوں وہ مرد ہمیں ہمارے بھائیوں کی یاد نہیں دلاتے؟ میرے یا آپ کے بھائی کے گھر خدانخواستہ کوئی آگ لگا دے جبکہ پورا خاندان وہیں محصور ہو، کیا میرے حلق سے نوالہ اترے گا؟ میں چین کی نیند سو پاؤں گی؟ پھر کیسے ہم خبریں لگا کر اپنے بھائیوں پر بمباری ہوتے دیکھتے ہیں اور سامنے بیٹھے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں، جیسے وہی کوئی ڈرامہ چل رہا ہو، ساتھ ساتھ اس پر تبصرہ چل رہا ہو، کوئی غمزدہ کرنے والا سین آئے تو چار آنسو بہا لیے جائیں۔۔۔اس کے بعد وہ عارضی درد وہیں چھوڑ کر قہقہے لگاتے، گلچھرے اڑاتے اپنی دنیا میں مست مگن ہو جائیں!

اس پر مستزاد یہ کہ ہم سمجھیں کہ آزمائش فلسطینیوں پر آئی ہے اور ہم تو ابھی بچے بیٹھے ہیں۔۔۔ہرگز نہیں! امتحان تو ہمارا ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ حق کا رخ کرتے ہیں یا جس کرکٹ گراؤنڈ کی طرف طاغوتی طاقتیں آنکھوں پر پٹی باندھ کر، بندوق کی نالی سے ٹھوکر لگا کر ہمیں موڑتی ہیں، ہم مڑ جاتے ہیں۔۔۔!

کہنے لگے کہ ہم کو تباہی کا غم نہیں
میں نے کہا کہ وجہ تباہی یہی تو ہے
ہم لوگ ہیں عذابِ الٰہی سے بے خبر
اے بے خبر! عذابِ الٰہی یہی تو ہے!

یاد رکھیں۔ ایک بات تو طے ہے۔۔۔کہ جلد یا بدیر، ہم پر بھی یہ حالات آنے ہیں۔ ملحمۃ الکبریٰ کی خبر رسول اللہ ﷺ ہمیں بہت پہلے دے چکے۔۔۔سو ہم نے وہ وقت نہ دیکھا تو ہماری نسلوں کو دیکھنا پڑے گا۔ سو یہ کبوتر کی طرح آنکھیں موند کر سر گردن میں کیے بیٹھے رہنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ چاہے دیکھنے میں لگے کہ "ایک میں Pepsi نہیں پیوں گی تو کیا ہوگا؟" یا "ایک میرے McDonald's نہ کھانے سے ان کی دکانیں بند تو نہیں ہو جائیں گی"۔۔۔ہاں، نہیں ہوگا ایسا، لیکن ہمارا کھاتا تو اللہ کے نزدیک صاف ہوگا نا۔ اپنے حصے کا قطرہ ڈال کر گو کہ ہم غزہ کی سلگتی آگ نہ بجھا سکیں گے، مگر ربِ قہار کی بھڑکائی ہوئی دائمی آگ سے تو چھٹکارا حاصل کر پائیں گے نا؟ تو پھر کیوں نہ اپنے اپنے حصے کی معذرت اپنے رب کو پیش کرنے کا سامان کریں۔۔۔کہ جب روزِ حساب اللہ تعالیٰ پوچھے کہ تم نے اپنے جسم کے دکھتے حصے کی کیا دوا کی، تو ہم اس کو عذر تو پیش کر سکیں کہ

اے میرے رب! تو نے مجھے قوتِ گویائی عطا کی تھی، سو میں نے سماعتوں کے در کھٹکائے۔۔۔

تو نے مجھے زورِ قلم عطا کیا تھا، سو میں نے روشنائی کے ذریعے خوابِ غفلت میں کھوئے ہوؤں کو جگانے کی کوشش کی۔۔۔

تو نے مجھے زورِ بازو عطا کیا تھا، سو میں تو میدانِ جنگ میں ہی پہنچ گیا اور تیرے دشمن سے ٹکرا گیا۔۔۔

اے میرے رب! میرے ہاتھ پاؤں سلامت تھے، سو میں اہلِ اقدار کے ایوانوں کے در کھٹکانے جا پہنچا کہ وہ سیاسی محاذ پر سرگرم ہوں اور اپنا کردار ادا کریں۔۔۔

مجھ میں غیرت و حمیت باقی تھی سو میں نے ان کی مصنوعات خود پر حرام کر لیں۔۔۔

تو نے مجھے اچھے حافظے سے نوازا تھا، سو میں نے دن رات قنوت نازلہ یاد کر کے اس کا التزام کیا۔۔۔

اور اے میرے رب! تو نے امت کا مستقبل میری جھولی میں ڈال رکھا تھا، سو میں نے اس کو واقعی امت کا ایک کارآمد فرد بنا ڈالا۔۔۔اس کے دل میں احساس پیدا کیا کہ اگر امت کا ایک حصہ درد سے تلملا رہا ہو تو وہ بھی چین کی نیند نہ سو پائے۔۔۔اس کے دل میں یہ شوق ڈالا کہ جب کالے جھنڈے القدس کو فتح کرنے جائیں تو ان میں سے ایک جھنڈا اس کے قوی بازو نے بھی اٹھا رکھا ہو۔

غرض جس سے جو بن پائے، کر گزرے۔ کیونکہ قطرہ قطرہ مل کر ہی سمندر بنے گا، اور چاہے وہ سمندر ہماری زندگیوں میں نہ بن پائے، مگر ہماری اخروی نجات میں ہمارے حصے کا ایک قطرہ ہی سمندر کا کام کر گزرے گا۔۔۔اور یہی مطلوب و مقصود ہے!

ماہانہ رپورٹ برائے
آئینۂ انجمن

قرآن اکیڈمی ڈیفنس

رجوع الی القرآن کورس سال اول کے تیسویں بیچ میں کل 70 طلبہ آن کیمپس اور آن لائن زیر تعلیم ہیں۔ ماہ رواں میں فکر اسلامی اور خصوصی محاضرات کے تحت ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کی زیر تدریس جہاد فی سبیل اللہ، ابلیس کی مجلس شوریٰ، قرآن اور جہاد اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے موضوعات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔ مبادیاتِ علومِ دینیہ کا آغاز 19 اگست بروز ہفتہ سے (حضرات و خواتین کے لیے) ہوچکا ہے۔جس میں علم العقائد، عربی تکلم، صرفی و نحوی ترکیب اور خصوصی محاضرات کی تدریس شامل ہے۔ حلقات و دوراتِ دینیہ کے تحت 03 جولائی سے مختصر دورانیہ کے پانچ کورسز شروع کیے جا چکے ہیں، جب کہ خواتین کے لیے یکم ستمبر سے چار کورسز کا آغاز کیا گیا۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ کے تحت شعبۂ حفظ قرآن، شعبۂ ناظرہ قرآن اور شعبہ قاعدہ للبنین والبنات میں تدریس جاری ہے۔ شعبہ بنین و بنات میں ملکی و غیر ملکی طلباء کے لیے آن لائن کلاسز بھی جاری ہیں۔ 09 ستمبر کو مدرسہ کے شعبہ حفظ کل وقتی کا مسابقہ اور آٹھ طلباء کی آمین ہوئی۔ شعبہ حفظ بنات کو 18 ستمبر بروز پیر سے کل وقتی کر دیا گیا ہے۔

خطابِ جمعہ: ماہ ستمبر کا دوسرا اور چوتھا اور پانچواں خطبہ جمعہ نگرانِ انجمن و امیر تنظیم اسلامی جناب شجاع الدین شیخ اور پہلا اور تیسرا جمعہ مدیر ادارہ جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحبان نے خطاب ارشاد فرمائے۔ دوران ماہ مسجد میں 03 تقاریب نکاح منعقد ہوئیں۔ الحمد للہ مورخہ 12 اکتوبر 2023ء بروز جمعرات پانچویں عالمی محفل حسن قراءت کا انعقاد ہوا۔جس میں درج ذیل ملکی و غیر ملکی قراء نے تلاوت فرمائی:

1۔ محمد عبد الحافظ الدرنکی (مصر)	2۔ احمد رضا (افغانستان)	3۔ سید انوار الحسن شاہ بخاری (پاکستان)
4۔ ابراہیم کاسی (پاکستان)	5۔ عبد الرشید (پاکستان)	6۔ امداد اللہ عزیز (پاکستان)

مدرسۃ القرآن کے طلبہ نے پروگرام میں حمد، نعت اور تلاوت شرکاء کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، امیر تنظیم اسلامی و نگرانِ انجمن خدام القرآن سندھ کراچی محترم جناب شجاع الدین شیخ صاحب کا خصوصی پیغام ویڈیو کی صورت میں شرکاء کے سامنے پیش کیا گیا۔ پروگرام کے آخر میں مدیر ادارہ نے تمام مہمانوں کا عموماً اور مساجد کے آئمہ و خطباء کا خصوصاً شکریہ ادا کیا اور دعا پر مجلس کا اختتام فرمایا۔

قرآن اکیڈمی یٰسین آباد

رجوع الی القرآن کورس (سال اول سیکشن اے) میں 44 طلباء اور 89 طالبات، اور (سال اول سیکشن بی) میں 25 طلبہ، جب کہ (سال دوم) میں 18 طلباء اور 19 طالبات زیرِ تعلیم ہیں۔ رجوع الی القرآن کورس کے تحت خصوصی محاضرات و لیکچرز میں "ابلیس کی مجلس شوریٰ" اور "میرا گھر میری ذمہ داری" کے عنوانات پر مدیر تعلیم انجمن استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب اور صدر انجمن استاذ انجینئر سید نعمان اختر صاحب نے لیکچرز دیے۔ حلقات و دورات

(Short Courses) کے تحت کل 22 کورسز جاری ہیں ۔ علاوہ ازیں جناب استاذ عاطف محمود صاحب کی زیر تدریس قرآن حکیم کی صرفی و نحوی تحلیل کے موضوع پر آن لائن کورس بھی جاری ہے.جس میں کل 8 طلبہ و طالبات شامل ہیں ۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ کے تحت شعبہ حفظ کل وقتی میں 93 طلبہ اور درجہ قاعدہ میں 26 طلبہ زیر تعلیم ہیں ۔ ماہ رواں شعبہ حفظ کے طلبہ و اساتذہ کرام کو تفریحی دورہ کے لیے فارم ہاؤس لے جایا گیا۔ شعبہ مدرسۃ البنین والبنات کے تحت درجہ قاعدہ میں 155 طلبہ و طالبات اور درجہ ناظرہ میں کل 101 طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں ۔ مغرب تا عشاء حلقہ میں مقیم طلبہ کرام اور اہل محلہ و گردو نواح سے حضرات تشریف لاتے ہیں ۔ جن کی مجموعی تعداد 52 ہے ۔

شعبۂ دعوت و تبلیغ کے تحت ادارہ کی مسجد میں مطالعہ سورۃ الکھف ، جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے ، "مسئلہ فلسطین" ، "امت مسلمہ" ، "افغانستان" اور "فلسطین (اخوت کے تقاضے کرنے کے کام)" کے موضوعات پر خطبات جمعہ دیے گئے ، جن میں خطابت کی ذمہ داری بالترتیب محترم محمد ارشد صاحب ، مدیر ادارہ محترم سلیم الدین صاحب اور آخری دو جمعوں میں محترم عاطف محمود صاحب نے ادا کی ۔

شعبہ تصنیف و تالیف کے تحت ماہ رواں منتخب نصاب تفصیلی میں حقیقت و اقسام شرک پر تمام کام مکمل کرکے سپرد کیا جا رہا ہے ۔ منتخب نصاب (نکات ، حصہ اول) کی پروف ریڈنگ بمعہ حدیث کی تخریج اور اشعار کے حوالے ، منتخب نصاب (نکات ، حصہ دوم) کی انسرشن چیکنگ (دوسرا پروف) جاری ہے ۔ منتخب نصاب (تفصیلی ویڈیو) درس نمبر 15 حظ عظیم کی مکمل تصحیح بمعہ فارمیٹنگ (جاری) ۔ آئینہ انجمن کے لیے 2 ڈیزائن تیار کیے اور رسالہ مکمل کیا گیا۔ آئینہ انجمن کی پروف ریڈنگ سمیت ترجمہ برائے تدریس (جلد اول) پروف ریڈنگ مکمل کی گئی ۔ جب کہ منتخب نصاب تفصیلی ، (حقیقت و اقسام شرک) کی تصحیح جاری ہے ۔

قرآن اکیڈمی کورنگی

رجوع الی القرآن کورس سال اول 23 - 2022 میں تقریباً 33 خواتین اور 18 حضرات شرکت کر رہے ہیں ۔ "میرا گھر میری ذمہ داری ، سفرِ آخرت کے مراحل اور ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے موضوعات پر خصوصی محاضرہ کی تدریس مکمل ہوئی ۔ جن میں تدریس کی ذمہ داری بالترتیب صدرِ انجمن استاذ انجینئر سید نعمان اختر صاحب ، استاذ ڈاکٹر انوار علی صاحب اور مدیر تعلیمات جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب نے ادا فرمائی ۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ کے تحت شعبہ بنین کے درجہ حفظ میں 46 جبکہ درجہ قاعدہ و ناظرہ میں 102 طلباء اور شعبہ بنات میں 129 طالبات زیر تعلیم ہیں ۔ شعبہ بنین میں طلباء کے لیے بزم کا انعقاد کیا گیا ۔ شعبہ بنین میں 05 طلباء نے قاعدہ مکمل کیا جنہیں ناظرہ کی کلاس میں منتقل کیا گیا ۔ شعبہ خواتین میں بڑی عمر کی خواتین کے لیے تجوید القرآن و ناظرہ کی کلاس جاری ہے.جس میں تقریباً 30 خواتین زیر تعلیم ہیں ۔ ناظرہ خواتین کی طالبات کے لیے "صدقے کا مفہوم (ہر نیکی صدقہ ہے)" اور "مسئلہ فلسطین اور زہد کی فضیلت" کے موضوعات پر خصوصی لیکچرز منعقد ہوئے ۔ شعبہ خواتین کے تحت درجہ قاعدہ و ناظرہ کی طالبات کے لیے "بڑوں کے آداب اور وضو کا طریقہ/ارکانِ اسلام اور جہاد کی اقسام/جذبہ جہاد ، اللہ کے احکام بندوں کی جانب (فرائض و واجبات) اور فتح مکہ" کے موضوعات پر تربیتی و خصوصی لیکچرز منعقد کیے گئے ۔ شعبہ خواتین کے تحت "حلاوتِ ایمان" کے موضوع پر ماہانہ درسِ قرآن کا انعقاد کیا گیا ۔ جس میں 65 خواتین نے شرکت کی ۔

حلقات و دورات و دینیہ کے تحت امورِ خانہ داری کورس سے 11 خواتین استفادہ کر رہی ہیں ، ہفتہ وار قرآن فہمی کورس میں تقریباً 15 حضرات شرکت کر رہے ہیں ۔ قرآن اکیڈمی کورنگی اور دی ہوپ اسلامک اسکول کے اسٹاف کے لیے ایک تربیتی کلاس کا آغاز کیا گیا ہے ۔ جس میں نگرانِ انجمن جناب شجاع الدین شیخ صاحب کی ریکارڈ شدہ مطالبات قرآن سیریز سے استفادہ کیا جا رہا ہے ۔ قرآن اکیڈمی کورنگی سے منسلک تناظیم کے مدرسین کے لیے صدر انجمن جناب انجینئر نعمان اختر صاحب کی زیر تدریس ایک خصوصی دورہ ترجمہ قرآن تربیتی کلاس کا آغاز کیا گیا ہے ۔

دی ہوپ اسلامک اسکول

ماہِ اکتوبر میں سہ ماہی امتحانات منعقد کیے گئے ۔ 06 ستمبر 2023 کو "یوم دفاع" کی مناسبت سے تقریب کا انعقاد کیا گیا ۔ بوائز سیکنڈری سیکشن میں "مسابقہ

حسنِ قراءت" کا انعقاد کیا گیا۔ بوائز سیکنڈری سیکشن میں "مسابقہ نعت رسول ﷺ" کا انعقاد کیا گیا۔

قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

رجوع الی القرآن کورس میں "جہاد فی سبیل اللہ، ابلیس کی مجلس شوریٰ، اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور میرا گھر میری ذمہ داری" کے عنوانات پر خصوصی محاضرات منعقد ہوئے۔ اس کے علاوہ حضرات و خواتین کے لیے ہفتہ وار قرآن فہمی کورس اور بچوں اور بچیوں کے لیے دینی تربیتی کورس جاری ہے۔ دوران ماہ مسجد میں نمازِ فجر کے بعد ترجمہ قرآن اور بعد نماز عصر درس حدیث کا سلسلہ جاری ہے جس کی ذمہ داری جناب قاری غلام اکبر صاحب ادا کررہے ہیں۔ نماز ظہر کے بعد اصلاحی خطبات کا مطالعہ جاری ہے جس کی سعادت نائب مدیر جناب سید جمیل احمد صاحب ادا کررہے ہیں۔ ہر جمعہ بعد نماز عشاء درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے جس کی سعادت جناب استاذ انجینئر عثمان علی صاحب ادا کررہے ہیں۔ خطاب جمعہ کی سعادت مدیر ادارہ جناب ڈاکٹر انوار علی صاحب حاصل کررہے ہیں، جس کی ریکارڈنگ انجمن خدام القرآن کی ویب سائٹ پر اپلوڈ کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اور مدرسۃ القرآن برائے قاعدہ و ناظرہ میں بچوں کے لیے ہفتہ وار تربیتی نشست کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ گزشتہ ماہ مدرسۃ القرآن میں ششماہی امتحان ہوا، اس ماہ رزلٹ کا اعلان اور والدین سے ملاقات کے لیے مختصر پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں نتائج کا اعلان کیا اور پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء میں انعامات بھی تقسیم کیے گئے، آخر میں محترم جناب انجینیر عثمان علی صاحب نے مختصر بیان کیا اور دعا کے ساتھ پروگرام کا اختتام ہوا۔

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد

رواں ماہ رجوع الی القرآن کورس میں مدیرِ تعلیم ڈاکٹر محمد الیاس صاحب نے "منہج انقلابِ نبوی ﷺ اور ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے عنوانات سے دو خصوصی لیکچرز کی تدریس کی۔ مدرسۃ القرآن برائے قاعدہ و ناظرہ کے تحت صبح 09 تا 12 بجے اور دوپہر ظہر تا عصر بچوں کے لیے قاعدہ و ناظرہ قرآن اور آدابِ زندگی کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ مغرب تا عشاء بالغان کے لیے تجوید القرآن کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری ہے۔ ہفتہ اور اتوار حضرات و خواتین کے لیے ویک اینڈ کورس ماڈیول 2 بحسن و خوبی جاری ہے۔ بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب ادارہ ہذا میں حضرات و خواتین کے لیے درسِ قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بروز ہفتہ مورخہ 21 اکتوبر ادارہ ہذا میں "بیت المقدس کا تاریخی خاکہ" کے عنوان سے حضرات و خواتین کے لیے ایک اسپیشل لیکچر کا اہتمام کیا گیا جس میں ادارے کے استاذ جناب سعد عبد اللہ صاحب نے تدریس کی ذمہ داری ادا کی۔

الحمد للہ ادارہ ہذا کے شعبہ سندھی کے تحت رواں ماہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کتابچے "اسلام میں اجتماعیت اور بیعت کی اہمیت" کا سندھی میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور "رسولِ انقلاب کا طریقہ انقلاب" کا ترجمہ جاری ہے۔

قرآن مرکز لانڈھی

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ میں شعبہ بنین کے تحت درجہ حفظ میں 62 جبکہ درجہ قاعدہ و ناظرہ میں 46 طلباء اور شعبہ بنات میں 52 طالبات زیر تعلیم ہیں۔ مدرسۃ البنین میں تذکیر کے حوالے سے تربیتی لیکچر منعقد ہوا جس میں تدریس کی ذمہ داری مسئول مدرسہ حافظ محمد لقمان صاحب نے ادا کی۔ مدرسۃ البنین میں بزم طلباء کا انعقاد کیا گیا جس میں طلباء نے قراءت اور حمد و نعت میں حصہ لیا۔ 02 طلباء نے تکمیل حفظ کی سعادت حاصل کی۔

حلقات و دورات دینیہ کے تحت حضرات کے لیے قرآن فہمی ہفتہ وار کورس جاری ہے جس میں 13 حضرات شریک ہیں۔ خواتین کے لیے تجوید کلاس جاری ہے جس میں 10 خواتین شریک ہیں۔ خواتین کے لیے عربی گرامر کلاس جاری ہے جس میں 08 خواتین شریک ہیں۔ حضرات کے لیے اللغۃ العربیۃ کلاس کا آغاز کیا گیا جس میں 06 حضرات شریک ہیں۔ سیرت خاتم النبیین لیکچر سیریز کا آغاز کیا گیا جس میں 30 حضرات اور 12 خواتین شریک ہیں۔

شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت ہفتہ وار مجلس تذکیر بالقرآن میں قرآن حکیم کی پانچویں منزل کا آغاز کیا گیا جس میں "سورۃ الشعراء" کا مطالعہ جاری ہے۔ ناظم مرکز محمد ہاشم صاحب مدرس کی ذمہ داری ادا فرماتے ہیں۔ ماہانہ درس قرآن و حدیث میں "سیرت النبی ﷺ" کے موضوع پر انجینئر نعمان آفتاب صاحب نے خصوصی خطاب فرمایا۔ ماہانہ فہم دین نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں شرکاء کی تعداد 10 رہی۔

شعبۂ ملٹی میڈیا

مطالبات قرآن :

قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مبنی "مطالباتِ قرآن" کے عنوان سے Qtv کے لیے قرآن اسٹوڈیو میں نگرانِ انجمن محترم شجاع الدین شیخ صاحب کی 35 35 -منٹ پر مشتمل ویڈیو ریکارڈنگز کا سلسلہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ الحمدللہ اس سلسلہ کے دو پروگرام Qtv پر ہفتہ اور اتوار کی شام 4 بجے نشر ہو رہے تھے۔ اس سلسلہ کے 83 پروگرام ریکارڈ کر کے Qtv کو ایڈیٹنگ کے بعد فراہم کیے جا چکے ہیں۔

تعلیمات قرآن :

خلاصۂ مضامین قرآن کی بنیاد پر تیار کردہ 30 اقساط پر مبنی پروگرام بعنوان تعلیمات قرآن سماء ٹی وی پر صبح 7 بجے نشر کیا جا رہا ہے۔

دورۂ ترجمہ قرآن (سماء ٹی وی) :

نگرانِ انجمن محترم شجاع الدین شیخ صاحب کا بیان کردہ دورۂ ترجمہ قرآن ابتدائی طور پر ایڈیٹنگ کے مراحل میں ہے، جس کی اب تک 14 اقساط تیار ہو چکی ہیں، یہ سلسلہ صبح 7 بجے سماء پر نشر کیا جائے گا۔

فلسطین میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف مظاہرہ :

تنظیم اسلامی کے تحت ملک گیر سطح پر فلسطین میں جاری اسرائیلی جارحیت کے خلاف پرامن احتجاج ریکارڈ کروایا گیا، جس میں کراچی اور اسلام آباد کی سطح پر مظاہرہ کی ریکارڈنگ جو کہ ایڈیٹنگ کے بعد تنظیم اسلامی کے آفیشل یوٹیوب چینل پر اپلوڈ کی گئی۔

محفل حسن قراءت :

شعبہ تعلیمات، قرآن اکیڈمی ڈیفنس کے تحت پانچویں بین الاقوامی محفلِ حسنِ قراءت کا اہتمام کیا گیا، جس میں پاکستان کے علاوہ مصر اور افغانستان کے معروف قراء اور مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءت کے طلباء نے حاضرین کے دلوں کو گرمایا، اس محفل کی تمام تر تکنیکی ذمہ داریاں مثلاً ساؤنڈ سسٹم، ایس ایم ڈی، اسٹیج اور ریکارڈنگ شعبہ ملٹی میڈیا نے سرانجام دیں، مزید یہ کہ اس نشست کو انجمن کے آفیشل فیس بک پیج اور یوٹیوب چینل پر براہ راست نشر بھی کیا گیا۔

اے ایمان والو! :

قرآنِ مجید میں ایک 89 مرتبہ اہلِ ایمان کو براہ راست "یا ایھا الذین امنوا" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے، ان تمام آیات کو جمع کر کے انفرادیت سے اجتماعیت

تک ترتیب دیا گیا اور اب اس سلسلہ کو ریکارڈ کر کے کیوٹی وی پر پیش کرنے کا ارادہ ہے، اس سلسلہ میں پریزینٹیشن کی تیاری کا عمل جاری ہے۔

آسان عربی گرامر:

رجوع الی القرآن کورس میں جاری آسان عربی گرامر کی پریزینٹیشن کی از سرِ نو اعلیٰ طرز پر تیاری اور اس کی ریکارڈنگ کے سلسلہ کا آغاز کیا گیا ہے، اس سلسلہ کی اب تک 85 کلاسز ریکارڈ کی جا چکی ہیں، جبکہ 44 اسباق کی پریزینٹیشن کی تیاری کا عمل مکمل ہو گیا ہے۔

خطباتِ جمعہ (نگرانِ انجمن شجاع الدین شیخ صاحب حفظہ اللہ):

ماہِ اکتوبر 2023ء میں مسجد جامع القرآن (قرآن اکیڈمی ڈیفنس) میں نگرانِ انجمن محترم شجاع الدین شیخ صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی ویڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں مرکزی تنظیم اسلامی کے یوٹیوب چینل کے علاوہ انجمن کے آفیشل یوٹیوب چینلز پر اپلوڈ کیا گیا:

1. مسئلہ فلسطین، عالمِ کفر اور امتِ مسلمہ کا طرزِ عمل، اور ہماری ذمہ داریاں
2. اسرائیل کی غارت گری، عالمِ اسلام بالخصوص مقتدر طبقات کا ردِ عمل کیا ہو؟

خطباتِ جمعہ (محترم عامر خان صاحب حفظہ اللہ):

ماہِ اکتوبر 2023ء میں جامع مسجد شادمان ٹاؤن میں محترم عامر خان صاحب کے درج ذیل موضوعات پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں انجمن کی ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا:

1. اسوہ حسنہ، سورۃ الاحزاب آیت 21 کی روشنی میں
2. تاریخِ بنی اسرائیل، سورۃ بنی اسرائیل کی روشنی میں (حصہ اول)
3. تاریخِ بنی اسرائیل، سورۃ بنی اسرائیل کی روشنی میں (حصہ دوم)
4. جہاد فی سبیل اللہ

خطباتِ جمعہ (محترم ڈاکٹر محمد الیاس صاحب حفظہ اللہ):

ماہِ اکتوبر 2023ء میں جامع مسجد، جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں محترم ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں انجمن کی ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا:

1. منہج انقلابِ نبوی ﷺ
2. قضیہ فلسطین کا اصل حل، نظامِ خلافتِ راشدہ کا قیام

خطباتِ جمعہ (محترم ڈاکٹر انوار علی صاحب حفظہ اللہ):

ماہِ اکتوبر 2023ء میں جامع مسجد، جامع القرآن، قرآن انسٹیٹیوٹ، گلستانِ جوہر میں محترم ڈاکٹر انوار علی صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں انجمن کی ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا:

1. نسبت رسول ﷺ
2. مسجد اقصیٰ اور امت مسلمہ
3. یہود و نصاریٰ اور امت مسلمہ
4. موجودہ حالات اور گھر والوں کی تربیت

روشنی (ریڈیو پاکستان):

ریڈیو پاکستان پر روشنی کے عنوان سے نشر ہونے والے پروگرام کے لیے نگرانِ انجمن محترم جناب شجاع الدین شیخ صاحب کے 2 لیکچرز ریکارڈ کر کے ان کی آڈیو ریکارڈنگز ریڈیو پاکستان کو فراہم کی گئیں۔

انجمن خدّام القرآن اغراض و مقاصد

انجمن خدّام القرآن
سندھ، کراچی، رجسٹرڈ

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی کے قیام کا مقصد منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے۔ تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے اور اس طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہو سکے۔

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی کے اغراض و مقاصد:

☆ عربی زبان کی تعلیم و ترویج۔

☆ قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق۔

☆ علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت۔

☆ ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلّم و تعلیم قرآن کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیں، اور

☆ ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام جو قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرسکے۔

☆☆☆

مرکزی دفتر انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی، رجسٹرڈ 375 – B، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی۔ فون نمبر 7 – 34993436 – 021